ماہنامہ
دخترانِ اسلام
لاہور
مئی 2022ء

انداز خطابتِ نبوی ﷺ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

مشاورت، قرآن و سنت کی روشنی میں

سیدنا صدیق اکبرؓ کے فضائل و مناقب

عالمی یومِ ثقافت

قوموں کی تاریخ اس کے تہذیب و تمدن کی عکاس ہوتی ہے

فریدِ ملتؒ اور پاسداریِ شریعت

منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیراہتمام سیدۂ کائنات حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کانفرنس 2022ء کا انعقاد

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ لاہور

دختران اسلام

جلد: 29 شمارہ: 4 / شوال ۱۴۴۳ھ / مئی 2022ء

زیرِ سرپرستی

بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر

قرۃ العین فاطمہ

ایڈیٹر

اُم حبیبہ اسماعیل

ڈپٹی ایڈیٹر

نازیہ عبدالستار

مجلس مشاورت

نوراللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ، ڈاکٹر نبیلہ اسحاق
ڈاکٹر شاہدہ مغل، ڈاکٹر فرخ سہیل، ڈاکٹر سعدیہ نصراللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز، مسز حلیمہ سعدیہ
مسز راضیہ نوید، سدرہ کرامت، مسز رافعہ علی
ڈاکٹر زیب النساء سرویا، ڈاکٹر نورین روبی

رائٹرز فورم

آسیہ سیف، سعدیہ کریم، جویریہ سحرش
جویریہ وحید، ماریہ عروج، سُمیّہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم

گرافکس: عبدالسلام —— فوٹوگرافی: قاضی محمود الاسلام

فہرست

اداریہ

(خواتین کا تحفظ اور نظامِ انصاف) 4

فکرِ شیخ الاسلام

اندازِ خطابتِ نبوی ﷺ	مرتبہ: نازیہ عبدالستار	5
سیدنا صدیق اکبرؓ کے فضائل و مناقب	سعدیہ کریم	12
باب الاسلام سندھ تاریخ کے آئینے میں	ڈاکٹر انیلہ مبشر	16
فریدِ ملتؒ اور پاسداریِ شریعت	محمد شفقت اللہ قادری	20
مشاورت، قرآن و سنت کی روشنی میں	سجاد فیضی	26
محنت کی عظمت	سمیہ اسلام	30
عالمی یوم ثقافت	پروفیسر حلیمہ سعدیہ	33
فقہی مسائل: نمازِ عیدین کا طریقہ	خصوصی رپورٹ	37
گلدستہ: وضو سے جسم کا اعصابی نظام توانا ہوتا ہے	مرتبہ: حافظہ سحر عنبرین	39

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید، امریکہ: 15 ڈالر مشرق وسطی، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ: 12 ڈالر

ترسیل زر کا پتہ: منی آرڈر/ چیک/ ڈرافٹ بنام حبیب بنک لمیٹڈ منہاج القرآن برانچ اکاؤنٹ نمبر 01970014583203 ماڈل ٹاؤن لاہور

قیمت فی شمارہ -/35 روپے

سالانہ خریداری -/350 روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184

Visit us on: www.minhaj.info E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا. وَ اٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِیْثَ بِالطَّیِّبِ وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓی اَمْوَالِکُمْ ط اِنَّہٗ کَانَ حُوْبًا کَبِیْرًا. وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا. (النساء، ۴: ۱ تا ۳)

’’اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور بُری چیز کو عمدہ چیز سے نہ بدلا کرو اور نہ ان کے مال اپنے مالوں میں ملا کر کھایا کرو، یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے لیے پسندیدہ اور حلال ہوں، دو دو اور تین تین اور چار چار (مگر یہ اجازت بشرطِ عدل ہے) پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم (زائد بیویوں میں) عدل نہیں کر سکو گے تو صرف ایک ہی عورت سے (نکاح کرو) یا وہ کنیزیں جو (شرعاً) تمہاری ملکیت میں آئی ہوں، یہ بات اس سے قریب تر ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو‘‘

فرمان نبوی ﷺ

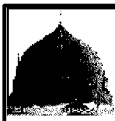

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: لَا يُحِقُّ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَغْضَبَ لِلّٰهِ وَيَرْضَى لِلّٰهِ، فَإِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ اسْتَحَقَّ حَقِيْقَةَ الْإِيْمَانِ، وَإِنَّ أَحِبَّائِي وَأَوْلِيَائِي الَّذِيْنَ يُذْكَرُوْنَ بِذِكْرِي وَأُذْكَرُ بِذِكْرِهِمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ.

’’حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہی (کسی سے) ناراض اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی (کسی سے) راضی نہ ہو (یعنی اس کی رضا کا مرکز و محور فقط خوشنودی ذاتِ الٰہی ہو جائے) اور جب اس نے یہ کام کر لیا تو اس نے ایمان کی حقیقت کو پالیا، اور بے شک میرے احباب اور اولیاء وہ لوگ ہیں کہ میرا ذکر کرنے سے وہ یاد آ جاتے ہیں اور ان کا ذکر کرنے سے میں یاد آ جاتا ہوں۔ (میرے ذکر سے ان کی یاد آ جاتی ہے اور ان کے ذکر سے میری یاد آ جاتی ہے یعنی میرا ذکر ان کا ذکر ہے اور ان کا ذکر میرا ذکر ہے)۔‘‘

(المنہاج السوی من الحدیث النبوی ﷺ، ص۱۰۰)

خواب

اِک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نِسوانیتِ زن کا نگہبان ہے فقط مرد
(ضربِ کلیم، ص:۹۶۶)

تعبیر

ہم جتنی زیادہ تکلیفیں سہنا اور قربانیاں دینا سیکھیں گے، اتنی ہی زیادہ پاکیزہ، خالص اور مضبوط قوم کی حیثیت سے ابھریں گے جیسے سونا آگ میں تپ کر کندن بن جاتا ہے۔

(پیغام عیدالاضحیٰ، 24 اکتوبر 1947ء)

تکمیل

اے دخترانِ اسلام! آج اسلام کی بیٹیوں کو قرونِ اولیٰ کے کمال کی طرف لوٹ آنے کی ضرورت ہے۔ آج سیدہ فاطمۃ الزہراءؑ کے کردار کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آج سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے کردار کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ اسلام کی بیٹیاں اگر اس عظیم کردار کو حرزِ جاں بنالیں تو دنیا کی کوئی طاقت امت مسلمہ کی نشاطِ ثانیہ کو روک نہیں سکتی۔

(قول شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، مجلّہ منہاج القرآن آرٹیکل کلمات حکمت)

اداریہ

خواتین کا تحفظ اور نظام انصاف

اسلام میں خواتین کے احترام ،تحفظ،تعلیم و تربیت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اسلام کو ہی یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس نے خواتین کو برابر کا شہری قرار دیا اور خواتین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی۔ اسلام نے جہاں خواتین کی تعلیم و تربیت کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی بات کی وہاں سب سے زیادہ اس کے تحفظ اور عزت وتکریم پر زور دیا۔ اسلام سے قبل عرب کے معاشرے میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی روش عام تھی۔ خواتین کو خرید وفروخت کی چیز اور مالِ غنیمت سمجھا جاتا تھا۔ بدوین سوسائٹی میں خواتین کو غلام بنانا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے دور جاہلیت کی عورت دشمن رسومات کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ جس نے آج سے چودہ سو سال قبل خواتین کے حقوق وفرائض کا تعین کر دیا جبکہ آج کی جدید جمہوری تہذیبوں کی ویمن امپاورمنٹ کی مہمات کی عمر **100** سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اسلامی تعلیم اور تہذیب و ثقافت میں خواتین کے عزت واحترام اور تحفظ پر سب سے زیادہ توجہ مرکوز کی گئی۔ یہ امر افسوس ناک ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک میں خواتین کے خلاف جرائم کی شرح دن بدن بڑھ رہی ہے۔ پاکستان میں گھریلو تشدد اور طلاق کی شرح میں اضافہ کا رجحان سامنے آیا ہے اور خاندانی نظام شکست و ریخت سے دو چار ہے۔خواتین کے خلاف جرائم کی روک تھام کے لئے ریاست کی تو اولین ذمہ داری ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیاسی، اصلاحی، مذہبی اور فلاحی تحریکوں اور جماعتوں کو اپنا ذمہ دارانہ دینی و ملی کردار ادا کرنا ہوگا بصورت دیگر پاکستان کو وہ مقام حاصل نہیں ہو سکے گا جس کا خواب تحریک پاکستان کے دوران اکابرین ملت اسلامیہ نے دیکھا تھا۔ حال ہی میں خواتین کے خلاف جرائم کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے یہ رپورٹ پاکستان کے سب سے بڑے صوبہ پنجاب کے حوالے سے ہے۔ رپورٹ کے مطابق گزشتہ **4** سالوں میں پنجاب کے **36** اضلاع میں **40** ہزار سے زائد خواتین اغواء ہوئیں۔ **3** ہزار سے زائد خواتین گزشتہ چار سال سے لاپتہ ہیں۔خواتین کو اغواء کرنے والے **53** ہزار سے زائد ملزمان کو گرفتار کیا گیا جن میں سے بیشتر ناقص تفتیش اور ناقص شواہد کی بناء پر قانون کے شکنجے سے بچ گئے مگر سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ خواتین کے اغواء اور تشدد میں ملوث **53** ہزار ملزمان میں سے **12** ہزار ملزمان مفرور ہیں۔ ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی تن آسانی کا شکار ہیں۔ اغواء کے وہ کیسز جنہیں پولیس ٹریس کرنے میں ناکام رہتی ہے انہیں فائلوں کا پیٹ بھرنے کے لئے مفروروں کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جرم کے خاتمے کے لئے تین مراحل پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے پولیس کے تفتیشی نظام کو جدید خطوط پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ پولیس کو تفتیشی نظام خاندانی دشمنیوں کو ہوا دینے کا سبب بنتا ہے۔ محض شک کی بناء پر لوگوں کو گرفتار کرنے اور کیس خراب کرنے کا چلن عام ہے۔ جرائم پر کنٹرول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم یافتہ افسران اور افراد کو تفتیشی نظام سے منسلک ہونا چاہیے۔ دوسرے نمبر پر پراسیکیوشن کا نظام آتا ہے۔ پولیس کی طرف سے ایف آئی آر کے اندراج اور تفتیش کے باوجود ناقص پراسیکیوشن کی وجہ سے ملزمان سزا سے بچ جاتے ہیں۔ کریمنلز کو قرار واقعی سزا دلوانے کے لئے پراسیکیوشن کے نظام کو ازسرنو ترتیب دینا ضروری ہے۔ خواتین کے اغواء کے اعداد و شمار میں **53** ہزار ملزمان گرفتار ہوئے۔ **80** فیصد سے زائد ملزمان پراسیکیوشن کی خامیوں کی وجہ سے سزاؤں سے بچ گئے فیئر ایف آئی آر، فیئر تفتیش اور فیئر پراسیکیوشن سے ہی مجرم کیفرکردار کو پہنچیں گے اور خواتین کو تحفظ میسر آئے گا۔ ہر دور میں ہر حکومت خواتین کے تحفظ کے لئے بلند و بانگ دعوے کرتی ہے مگر عملاً کوئی پیش رفت نظر نہیں آتی۔ اسلامی سوسائٹی میں حکومتوں کو خواتین کے تحفظ پر تمام وسائل بروئے کار لانے چاہئیں۔ (چیف ایڈیٹر: دختران اسلام)

فکرِ شیخ الاسلام

اندازِ خطابتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے جتنے محاسن و کمالات نسلِ بنی آدم کو عطا کیے وہ سارے کمالات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں جمع فرما دیئے

خطاب: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
مرتبہ: نازیہ عبدالستار

اللہ تعالیٰ نے جتنے اعلیٰ محاسن اور کمالات نسل بنی آدم کو عطا کئے۔ بالخصوص اعلیٰ و ارفع طبقہ جو انبیاء و رسل کو عطا کیے وہ سارے کمالات حضور نبی اکرمﷺ کی ذات میں جمع فرمادیئے۔ انبیاء کرام کو مبعوث ہی اسی لیے کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کے پیغام کو مخلوق کے دل و دماغ میں بٹھائیں۔ ان کے دماغوں میں اٹھنے والے سوالات کو دلائل کے ذریعے مطمئن کریں۔ بالآخر پیغام حق کا تائید کرنے والا بنائیں یا یہ سارے مقاصد اسی وقت پورے ہوتے ہیں جب اللہ کا نبی اظہار مافی الضمیر پر قادر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو پیغام اس کے دل پر القاء کیا ہے یا فرشتے کے ذریعے اس تک پہنچایا ہے۔ اس کو حسن وخوبی کے ساتھ واضح انداز میں بیان کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر اللہ کا نبی اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قادر نہیں۔

اس کو کھلے کھلے صاف صاف الفاظ میں لوگوں کے سامنے پیش نہیں کرسکتا۔ استدلال کے ساتھ سننے والوں کے ذہنوں کو متاثر نہیں کرسکتا۔ وہ نبی فریضہ نبوت و رسالت سے بھی قاصر رہتا ہے۔ اس لیے خطابت عناصر نبوت میں سے ہے۔ ان کمالات اور محاسن میں سے ہے جن سے اللہ رب العزت اپنے ہر نبی کو نوازتا ہے۔ لہٰذا خطابت اللہ رب العزت کی بہت بڑی نعمت ہے۔ سورہ الرحمٰن میں ارشاد فرمایا گیا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ. (الرحمٰن،۵۵: ۱،۲) ساری رحمتوں کا مالک اللہ ہے۔ جس نے قرآن سکھایا۔

قرآن کیا ہے وہ آسمانی علوم و معارف کا سرچشمہ ہے۔ قرآن سکھانے کا مطلب ہے اللہ رب العزت نے اپنی الوحی علم و معرفت کا سرچشمہ بندے کو عطا کردیا۔ رحمٰن وہ ہے جس نے انسان کو پیدا فرمایا اور اسے زبان و بیان کی قدرت عطا کی۔ اسے خطاب کا طریقہ عطا کیا۔ اسے مافی الضمیر کے اظہار پر قدرت عطا کی اس کو وہ قدرت عطا کی کہ وہ من کی بات لوگوں سے کرسکے۔ گویا اللہ کی ذات ہر وہ شخص کو یہ نعمت عطا کرتی ہے جس سے اللہ نے اپنی مخلوق کی اصلاح کا کام لینا ہوتا ہے تاکہ اس کی مخلوق کے دل و دماغ کو سکون و اطمینان نصیب ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں انہیں قرآن مجید نے حضور علیہ السلام کے مماثل قرار دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی بارگاہ میں التجا کرتے تھے:

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ. وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ. وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ. یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ. (طٰہٰ،۲۰: ۲۳۔۲۸)

’’اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کشادہ فرما دے۔ اور میرا کارِ (رسالت) میرے لیے آسان فرما دے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ کہ لوگ میری بات (آسانی سے) سمجھ سکیں۔‘‘

باری تعالیٰ میرا سینہ میرے لیے کھول دے۔ میرے تمام تر حجابات اٹھا دے۔ حقائق میرے اوپر منکشف عطا فرما اور جس کام پر تو نے مجھے متعین فرمایا ہے وہ کام میرے لیے آسان کردے۔ اللہ کا نبی کس قدر قدم قدم پر کار نبوت کے کام میں اللہ کی مدد و نصرت کا طلب گار ہے۔ میری زبان کی گانٹھ کھول دے۔ میری زبان کو روانی عطا ہوجائے۔ میں گفتگو کروں تو اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس میں ایسی سلاست تاثیر و روانی عطا کر جن کے کانوں تک بات پہنچے ان کا دل اسے قبول کرلے۔ اس دعا میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے چار چیزیں طلب کیں۔ ا۔شرح صدر، ۲۔ تاثیر امر، ۳۔سلاست لسانی، ۴۔افہام قول۔

ا۔شرح صدر:

میرے سینے کو کھول دے جو باتیں میری نظر سے نہ گزری ہوں جب میں تیرے کام کی طرف متوجہ ہوں، تیری عنایت خاص سے میرے دل میں القاء ہوتی چلی جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے کسی کام کے لیے منتخب فرماتا ہے تو سب سے پہلی نعمت اس کو شرح صدر دیتا ہے۔حضور علیہ السلام کو شرف و کمالات عطا کیے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. (الانشراح،۹۴:۱)

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم وحکمت اور معرفت کے لیے) کشادہ نہیں فرما دیا۔''

ہم نے سارے پردے اٹھادیے ہیں تیرے سینے کو ہم نے حکمتوں کے چشمے عطا کردیے ہیں۔ ہم نے اپنے لطائف، حقائق اور معرفت کے چشمے بہادیے ہیں۔ جب تو متوجہ ہوتا ہے تو ہماری حکمت کے چشمہ کے ساتھ تیرے دل کا تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ مضامین ادھر سے اترتے ہیں اور تیری زبان سے اگلتے چلے جاتے ہیں۔ یہ انشراح صدر ہے۔

۲۔ تاثیر امر:

پھر دعا مانگی باری تعالیٰ! ''میں جس طرح قدم اٹھاؤں رکاوٹیں دور ہوتی چلی جائیں، مصائب و آلام راستے سے ہٹتے چلے جائیں۔''

میری عالم غیب سے ایسی مدد کر اپنی نصیحت خاص سے وہ تقویت عطا کر جدھر قدم اٹھاؤں میرے قدم بڑھتے ہی چلے جائیں۔ اللہ کا نبی اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا کرتا ہے۔

قرآن خود بھی خطاب ہے جو چیزوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں سلاست ہے روانی ہے۔ اس کے الفاظ میں نغمگی ہے، ترنم ہے، آبشاروں کی طرح کا بہاؤ ہے۔ معنی و معارف اور مطالب کا ابلتا ہوا سمندر ہے

۳۔سلاست لسانی:

تیسری دعا سلاست لسانی ہے۔ میری زبان کی گانٹھ کو یوں کھول دے کہ جب میں بولنے پر آؤں تو معارف کے سمندر بہادوں، گفتگو میں بہاؤ، روانی و سلاست و ہو کہیں رکاوٹ نہ آئے تاکہ تسلسل ٹوٹنے نہ پائے تاکہ سننے والا ہمہ تن میری بات کو یوں سنے کہ میری زبان سے بات نکلے اور اس کے دل کی گہرائیوں میں اترتی چلی جائے۔ میں جس معنی و مفہوم میں بات کہہ رہا ہوں اسی معنی و مفہوم میں بات ان کے دلوں میں اترتی چلی جائے۔

۴۔ افہام قول:

چوتھی بات افہام قول استدلال کی قوت عطا ہو۔ زبان کی تاثیر عطا ہو، سلاست لسانی ہے۔ گفتگو میں تاثیر اللہ کی بارگاہ میں انبیاء کرام طلب کرتے رہے اور انبیاء علیہم السلام کو عطا بھی ہوتی رہیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت سونپا جاتا ہے تو آپ اللہ رب العزت سے ایک معاون طلب کرتے ہیں

کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو میرا معاون بنادے۔ اب سوال اٹھتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو کیوں معاون کے طور پر طلب کیا جارہا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ ان کی زبان میں مجھ سے زیادہ فصاحت وبلاغت ہے۔ مجھ سے زیادہ استدلال اور روانی ہے۔ اس لیے کہ ایسا شخص میرے پیغام کو زیادہ بہتر انداز میں آگے پہنچاسکتا ہے۔ اللہ رب العزت اس کی التجاء کو قبول فرماتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت بیان کرتا ہے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا:

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ. (ص،۳۸:۲۰)

''اور ہم نے انہیں حکمت و دانائی اور فیصلہ کن اندازِ خطاب عطا کیا تھا۔''

گویا اللہ کی ذات ہر وہ شخص کو یہ نعمت عطا کرتی ہے جس سے اللہ نے اپنی مخلوق کی اصلاح کا کام لینا ہوتا ہے تاکہ اس کی مخلوق کے دل و دماغ کوسکون و اطمینان نصیب ہو

ہم نے داؤد علیہ السلام پر نعمت کی اور کار نبوت کے مقاصد کے حصول کے لیے اسے حکمت و دانائی بھی عطا کی۔ خطاب میں تاثیر اور روانی بھی عطا کی۔ خطابت حکمت و دانائی کے بغیر ہو تو بے معنی ہے۔ اگر سینوں کا انشراح نہ ہوا ہو اللہ کی طرف سے حقائق نصیب نہ ہوئے ہوں تو وہاں سے لغو و فضولیات نکلتی ہیں۔ جیسے خطاب بغیر حکمت کے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لیے حکمت بغیر خطاب کے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اگر اندر تو بہت کچھ ہو مگر اظہار پر قدرت نہ ہو۔ لوگوں کو پہنچانے کی طاقت نہ ہو تو حکمت اس کی ذات تک محدود ہوکر رہ جاتی ہے۔ وہ مخلوق خدا کو فائدہ نہیں پہنچاتا۔ اس لیے داؤد علیہ السلام کو حکمت و دانائی بھی عطا کی اور مخلوق خدا تک پہنچانے کے لیے قدرت خطاب بھی عطا کی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں کانا شعیباً خطیب انبیاء۔ (ترمذی)

حضرت شعیب علیہ السلام گروہ انبیاء علیہم السلام کے بہت بڑے خطیب تھے۔ پھر قرآن مجید تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں نسبت عمومیہ کلیہ بیان کرتے ہوئے کہ ہم نے آج تک کسی قوم کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسے اس قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ اپنی بات جو ہماری طرف سے عطا ہوئی کھول کھول کر اچھی طرح سمجھا سکے۔ قرآن کے بارے میں فرمایا:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ.

''اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے۔''

قرآن خود بھی خطاب ہے جو چیزوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں سلاست ہے روانی ہے۔ اس کے الفاظ میں نغمگی ہے، ترنم ہے، آبشاروں کی طرح کا بہاؤ ہے۔ معنی و معارف اور مطالب کا ابلتا ہوا سمندر ہے۔

قرآن کے الفاظ میں تاثیر ہے فیصلہ کن انداز ہے، موثر انداز ہے، کافر بھی سن لیتے تو

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ.

(الحجر،۱۵:۹۴)

''پس آپ وہ (باتیں) اعلانیہ کہہ ڈالیں جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور آپ مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے۔''

سجدہ ریز ہوجاتے صرف قرآن کو سن کر وہ حسن و خوبی جو کائنات کے بڑے بڑے خطیبوں کو میسر نہیں آتی وہ خود قرآن کے الفاظ میں ہے۔ پھر جب حضور علیہ السلام کا ذکر آیا۔ ہر نبی کو حکمت عطا کی تھی۔ فصاحت و بلاغت عطا کی تھی۔ زبان و بیان کی قدرت اس کے اپنے منصب و ضرورت کے مطابق عطا کی تھی۔ جب رسول پاک ﷺ کی بعثت کا وقت آیا تو حضور ﷺ کو ایسی قوم میں مبعوث فرمایا گیا جس معاشرے میں خطابت کا فن بہت عروج پر تھا۔

ارسطو نے خطابت پر بہت کام کیا۔ رومیوں نے اس پر بہت کام کیا چلتے چلتے عرب تک پہنچا تو خطابت کا فن بام عروج تک پہنچ گیا۔ بڑے بڑے عرب فصیح و بلیغ خطیب تھے، کھڑے کھڑے فصیح و بلیغ تقریریں کرتے اونٹوں پر چلتے چلتے فصیح و بلیغ تقریریں کرتے۔ وہ قوم اپنے فصاحت و بلاغت پر اتنی نازاں تھی، اتنی اکڑی تھی وہ خود کو صاحب زبان کہتی باقی ساری مخلوق کو عجمی یعنی گونگا کہتی۔ اس قوم میں جب رسولﷺ کو بھیجا تو خطاب میں کتنا کمال عطا کر کے بھیجا تھا۔ جس قوم کے اکثر لوگ بہت بلند پایہ خطیب تھے ان میں بھیجے جانے والے نبی کو خطابت و تقریر میں بلند مقام عطا کیا۔ اس لیے جب حضورﷺ تشریف لائے۔ آپﷺ نے اہل عرب سے فرمایا لوگو! بے شک تم ساری کائنات سے بڑھ کر خطیب ہو مگر محمدﷺ سب سے زیادہ فصیح ہے۔ یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔

آپﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ زبان عطا کی ہے میں چند لفظوں میں بیان کے سمندر سمو دیتا ہوں۔''
آپﷺ نماز عصر پڑھ کر منبر پر کھڑے ہوئے۔ دو اڑھائی گھنٹوں میں مخلوق تک لوگوں کے جنت سے دوزخ تک چلے جانے تک سب کچھ بیان کر دیا دو گھنٹے میں پوری کائنات کی تاریخ بیان فرما دی۔ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

''یہ عظمت جو مجھے عطا ہوئی ہے نبیوں میں بھی میرا کوئی شریک نہیں، مجھے منفرد بنایا'' اس اعتبار سے حضور علیہ السلام بہت اولوالعزم جلیل القدر خطیب تھے۔ حضور علیہ السلام کا معجزانہ اثر رکھنے والا خطاب تھا جو کوئی سنتا اس کا دل حضورﷺ کی گرفت میں آ جاتا۔ حضور علیہ السلام کے انداز خطابت کا احاطہ کوئی خطیب نہ کر سکتا ہے نہ ہی ذہنی اعتبار سے اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔

آپﷺ کے اندازِ خطابت کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

i۔ حسن صوت:

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو حسن صوت عطا کیا

خطابت حکمت و دانائی کے بغیر ہو تو بے معنی ہے۔ اگر سینوں کا انشراح نہ ہوا ہو اللہ کی طرف سے حقائق نصیب نہ ہوئے ہوں تو وہاں سے لغو و فضولیات نکلتی ہیں۔ جیسے خطاب بغیر حکمت کے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لیے حکمت بغیر خطاب کے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اگر اندر تو بہت کچھ ہو مگر اظہار پر قدرت نہ ہو۔ لوگوں کو پہنچانے کی طاقت نہ ہو تو حکمت اس کی ذات تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ مخلوق خدا کو فائدہ نہیں پہنچاتا

کسی بھی خطیب کی پہلی خوبی یہ ہوتی ہے۔ اس کی آواز میں شیرینی ہو۔ اس میں حلاوت ہو، آواز کرخت ہوگی، آواز بھدی ہوگی دلوں و کانوں کو خوش گوار نہ لگے گی تو پھر اس کے سارے خطابت کے جوہر دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اللہ رب العزت نے حضور علیہ السلام کو حسن صوت عطا کیا۔ حضور علیہ السلام تصنع و بناوٹ کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔ مترنم آواز میں گفتگو نہیں فرماتے تھے مگر سادگی اور بے تکلفی میں گفتگو کرتے اور ہر ہر لفظ میں شیرینی ہوتی حلاوت ہوتی کہ سننے والے کے دل موہ جاتے۔ پس خطاب سُر لگا کر بات کرنا حضور علیہ السلام کی سنت نہیں ہے۔ اس سے گفتگو کا وقار و تمکنت ختم ہو جاتی ہے۔ آپﷺ خواہ اونچی آواز میں گفتگو کرتے یا نیچی آواز میں دونوں صورتوں میں گفتگو میں ایک خوبصورتی پائی جاتی۔

ii۔ فصاحت و بلاغت

کوئی شخص اس وقت تک خطیب نہیں ہو سکتا جب تک اسے زبان و بیان پر اسے قدرت نہ ہو۔ فصاحت و بلاغت سے مراد زبان میں پختگی شائستگی ہو، اچھے الفاظ کا انتخاب کر سکتا

ہو، برے الفاظ، اخلاق سے گرے ہوئے الفاظ سے اپنی گفتگو کو پاک رکھتا ہو۔ اس کی گفتگو میں حسن ادب ہو۔ کبھی صریح بات کرے کبھی مجاز میں بات کرے، کبھی حقیقت کبھی کنایہ و اشارہ میں بات کرے، کبھی استفہام میں بات کرے، کبھی ہنسانے کی بات کرے، کبھی ڈرانے کی بات کرے، ہر رنگ میں اس کی گفتگو فصیح و بلیغ ہو کہ دل میں ہر ہر لفظ اترا چلا جائے۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں قرآن کی زبان فصیح و بلیغ ہے۔

سجدہ ریز ہوجاتے صرف قرآن کو سن کر وہ حسن وخوبی جو کائنات کے بڑے بڑے خطیبوں کو میسر نہیں آتی وہ خود قرآن کے الفاظ میں ہے

فصیح و بلیغ زبان کی خوبی یہ ہے کہ وہ مرقع بھی ہو لیکن مشکل نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ سننے والا اس کی زبان کا ترجمہ ہی کرتا رہ جائے۔ اس کے الفاظ کا مفہوم ہی تلاش کرتا رہ جائے، جو کچھ مقرر یا خطیب نے کہا وہ آگے نکل جائے سننے والے کو پتہ نہ چلے۔ یہ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ رسول پاک ﷺ کوئی شاعر نہ تھے کہ بات عبارتوں میں کرتے نہ کہ وزن کافیہ و بحر میں بات کرتے جو کلام حضور علیہ السلام پر اتارا گیا وہ بھی شعر نہ تھا۔ وما ینبغی لوگو جو کلام حضور علیہ السلام پر اتارا ہے کوئی شاعری نہیں تھا اور نہ ہی شاعری حضور علیہ السلام کے منصب کے شایان شان ہے۔ حضور علیہ السلام کا کلام بھی شاعری تھا، نہ حضور علیہ السلام غزل کہتے نہ نظم کہتے لیکن جو چاشنی نظم میں نظر آتی ہے آواز کا بہاؤ کافیہ، بحر کا رنگ جو نظم و شاعری میں نظر آتا ہے وہ ساری چیزیں علیہ السلام کی نثر میں تھی۔

پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی زبان کتنی فصیح تھی، نمونے کے طور پر ایک حدیث مبارکہ ہے، شاعری نہیں لیکن کتنا حسن ان کلمات میں ہے۔

کلمتان جیبتان الی الرحمن حفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان، سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم۔

فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو بہت محبوب ہیں رحمت والے رب کے نزدیک زبان پر ہلکے ہیں اور بہت بھاری ہیں اجروثواب کے ترازو میں۔

بخاری شریف میں فاسق و فاجر کے تلاوت قرآن کرنے کے باب میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام تفسیر و تمثیل کے پیرائے میں گفتگو فرماتے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

جو شخص مومن ہے وہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال ایسے پھل کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی میٹھا ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہے۔ جو اعمال تو نیک نہیں کرتا وہ گناہ گار ہے۔ جو شخص جس کے اعمال نیک ہوں۔ مگر قرآن کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال کھجور جیسی ہے جس کا ذائقہ تو میٹھا ہے لیکن خوشبو کوئی نہیں ہوتی۔ جو شخص گناہ گار ہے لیکن عمل نہیں کرتا مگر قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ اس پودے جیسی ہے جس میں خوشبو ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہے۔ جس کا عمل بھی خراب ہے وہ قرآن کی تلاوت بھی نہیں کرتا۔ اس کی مثال اس پھل جیسی ہے کھانے کے اعتبار سے بھی کڑوا ہے اور بو کے لحاظ سے بھی اچھا نہیں چار باتیں کی اور چاوں کو تمثیل کے انداز میں بیان کیا۔

اس طرح گفتگو فرماتے کبھی استعارہ کا بیان ہوتا، کبھی حقیقت کا رنگ ہوتا، کبھی مجاز کا رنگ ہوتا، کبھی صریح کا رنگ ہوگا، کبھی کنایہ کا رنگ ہوتا۔

iii۔ اندازِ استفہام:

تیسرا عنصر حضور ﷺ کی خطابت کا استفہام تھا کہ اپنی تقریر کا آغاز سوال سے کرتے۔ سوال ایسا کرتے کہ سوال سے ہی لوگوں کو بات کی سمجھ آجاتی۔ یہ انداز استفہام تھا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں بھی حضور علیہ السلام نے اس انداز کو اپنایا۔ غزوہ حنین میں حضور علیہ السلام نے خطبہ دیا وہ بھی اپنی

آپ کے خطاب کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ ہمہ جہت خطاب صرف وعظ اور نصیحت مسائل کے انداز میں نہ ہوتا مسائل، حج و زکوٰۃ اور روزہ کا بیان نہ ہوتا۔ جامع خطاب ہوتا۔ اسی خطاب میں حکمرانوں کی اصلاح کی بھی بات کی جاتی، اسی خطاب میں بندوں کو رب سے جوڑنے کی بات بھی کی جاتی

مثال آپ تھا۔ حنین کی جنگ ہوئی۔ غزوہ سے جتنا مال غنیمت آیا وہ مال غنیمت آقا علیہ السلام نے سارا تقسیم فرمادیا۔ دو قریشی جو غیر مسلم تھے ان کی تالیف قلب کے لیے ان پر خصوصی رحمت کی تا کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوسکیں۔ اس پر چند انصاری نوجوان برہم ہوگئے۔ انہوں نے اعتراض اٹھایا کہ خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ مال سارا محمد ﷺ نے قریشی لوگوں کو تقسیم کردیا ہے۔ کہنے لگے معاذ اللہ اس نبی کو اللہ ہی معاف فرمائے۔ آقا علیہ السلام کے کانوں تک یہ بات پہنچی۔ حضور علیہ السلام خیمے میں تشریف لے گئے سارے انصار کو جمع کیا۔ مجھ تک یہ بات پہنچی کہ بعض نے یہ کہا سرداران قریش کہنے لگے۔

آقا علیہ السلام ہم معافی کے خواستگار ہیں، جذباتی اور کم عمر لوگوں نے ایسی بات کہی حضور علیہ السلام نے کہا سنو! سارے لوگوں کو بٹھا لیا اور کھڑے ہوکر استفہام کے انداز میں خطابت فرمانے لگے۔ لوگو! جب میں تمہارے پاس آیا تم گمراہ تھے۔ اللہ نے میرے سبب تمہیں ہدایت دی، تم متفرق تھے اللہ نے میرے سبب سے تمہیں مجتمع کردیا، تم محتاج تھے اللہ نے تمہیں غنی اور مالدار کردیا۔ آپ ﷺ فرماتے جارہے تھے، انصار اپنے سروں کو جھکا کر فرماتے جارہے تھے۔ حضور ﷺ آپ سچے ہیں، آپ صادق ہیں جب یہ گفتگو ہوچکی۔ آپ ﷺ ان سے مخاطب فرما کر یہ کہتے کہ انصاریو! تم اسی کے جواب میں یہ کیوں نہیں کرتے کہ جب آپ ﷺ ہمارے پاس اس وقت آئے جب لوگ آپ کی تکذیب کررہے تھے۔ ہم نے آپ کو سچا کہا، کہو کہ جب تم آئے تو آپ ﷺ گھر سے نکالے گئے تھے ہم نے آپ کو گھر دیا۔ کہو اے نبی! جب تم آئے تم بے سہارا تھے ہم نے تمہیں سہارا دیا۔ جب یہ سوال نکلتے رہے تو انصاریوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوگئی فرمایا: لوگو! تم نے میری تقسیم پر اعتراض کیا ہے اس رب کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ میں نے انہیں بکریاں دی ہیں۔ انہیں اونٹ دیئے ہیں، جب وہ گھروں کو جائیں گے تو اونٹ، بکریاں اور مال غنیمت لے کر جائیں گے۔ اس کے مقابلے میں تم گھروں کو جاؤ گے تو محمد ﷺ کو گھروں کو لے کر جاؤ گے۔ یہ ان کی بکریوں، اونٹوں سے کہیں بلند ہے، کیا تمہیں تقسیم پسند نہیں۔ وہ گھروں میں دنیا کا مال لے کر جائیں اور تم گھروں کو محمد ﷺ لے کر جاؤ۔ اس کے بعد آوازیں بلند ہوگئیں کہ راضینا یارسول ﷺ ہم آپ کی تقسیم پر راضی ہیں۔ آپ کے انداز میں استفہام تھا جب آپ ﷺ نے خطاب کیا۔

iv۔ جوشِ خطابت:

ایک اور چیز آپ کے خطاب میں جوش خطابت اور بلندی صوت تھا۔ جب آپ ﷺ خطاب فرماتے حضور ﷺ کے بیان میں جوش آجاتا، آواز بلند ہوجاتی، آپ کی تقریر، خطاب میں اتنا جوش ہوتا کہ چشمان مقدس سرخ ہوجاتی۔ اتنی دور دور تک حضور ﷺ کے خطاب کی آواز جاتی ہے۔ اس قدر جوش سے حضور علیہ السلام خطاب فرماتے جس قسم کا حضور ﷺ خطاب فرماتے اسی قسم کی کیفیات حضور علیہ السلام پر وارد ہوجاتیں۔ حضور ﷺ اس قدر جوش سے خطاب کرتے یوں لگتا کسی فوج کو جنگ کے لیے تیار کررہے ہوں۔ ان کے دلوں

میں جوش وخروش اور ولولے کی آگ بپا کردیتے۔ پھر حضورﷺ کے خطاب کاعنصر کیفیات کا تھا حضور علیہ السلام جس قسم کا مضمون بیان فرماتے اسی قسم کی کیفیات حضور علیہ السلام پر وارد ہوجاتیں۔ کیفیات کا یہ عالم تھا جب اللہ کا پیغام خلق تک پہنچاتے۔ لوگوں کو بدکاریوں اور برے انجام سے بچانے کی بات کرتے تو حضور علیہ السلام پر ایک جلال کی کیفیت طاری ہوتی۔ جسم اطہر پر جلال کا رنگ ہوتا ہے جس میں آنکھ سرخ ہوتیں، آواز بلند ہوتی۔ حضور علیہ السلام کی انگلیاں اٹھتیں کسی چیز کو کھلے کا ذکر ہوتا تو ہاتھ کو کھول دیتے اگر بند کرنے کا ذکر آتا تو مٹھی کو بند کردیتے۔ کیفیات کے ساتھ ساتھ پورے جسم اطہر میں حرکت آجاتی۔ کبھی دائیں طرح حضور علیہ السلام متوجہ ہوتے کبھی بائیں طرف حضور علیہ السلام اپنا چہرہ اقدس پھیر دیتے۔ سارا جسم میں حرکت کی کیفیت پیدا ہوجاتی جو بات زبان اقدس سے نکلتی سارا جسم اس کی تائید کررہا ہوتا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ابن ماجہ کی حدیث مبارکہ ہے میں نے منبر پر کھڑے ہوکر حضور علیہ السلام کو تقریر کرتے ہوئے دیکھا حضور بآواز بلند اس طرح تقریر فرمارہے تھے کبھی حضور علیہ السلام دائیں ہوتے، کبھی بائیں ہوتے، میں نے اس منبر کو دیکھا جس پر حضور علیہ السلام تشریف فرما تھے۔ وہ منبر حرکت میں تھا میں نے بار بار سوچا کہ منبر حضور علیہ السلام سمیت نیچے گر پڑے گا۔ اس کا حاصل یہ ہے وہ خطاب جو صاحب جذبات کی عکاسی نہیں کرتا تو یہ بھی قول وعمل کی عدم مطابقت ہے جو لوگ اپنے دل کی گہرائیوں سے بات نکالتے ہیں جن کے خون کی تپش سے بات نکلتی ہے تو پورا جسم اس کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے خطاب اور عمل میں مطابقت ہوتی ہے۔ اس انداز سے جب حضور علیہ السلام خطاب کرتے، لوگ ان کے خطاب اور انداز سے بھی متاثر ہوتے۔

۷۔ ہمہ جہت خطابت

آپ کے خطاب کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ ہمہ

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''یہ عظمت جو مجھے عطا ہوئی ہے نبیوں میں بھی میرا کوئی شریک نہیں، مجھے منفرد بنایا'' اس اعتبار سے حضور علیہ السلام بہت اولوالعزم جلیل القدر خطیب تھے

جہت خطاب صرف وعظ اور نصیحت مسائل کے انداز میں نہ ہوتا مسائل، حج و زکوۃ اور روزہ کا بیان نہ ہوتا۔ جامع خطاب ہوتا۔ اسی خطاب میں حکمرانوں کی اصلاح کی بھی بات کی جاتی، اسی خطاب میں بندوں کو رب سے جوڑنے کی بات بھی کی جاتی۔ اسی خطاب میں آمادہ جہاد کی بات کی جاتی، اسی خطاب میں اپنا تن من دھن اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی بھی بات کی جاتی۔ کبھی دائمی مسائل پر خطاب ہوتا کبھی ہنگامی مسائل پر خطاب ہوتا۔ کبھی عائلی موضوعات پر کبھی سیاسی موضوعات پر ہوتا، کبھی سیاست کے موضوع پر گفتگو فرماتے۔ لگتا کوئی فلسفہ سیاست کا امام بول رہا ہے جب اقتصادیات پر بات کرتے تو لگتا کہ کوئی ماہر اقتصادیات بات کررہا ہے۔ روحانیت پر بات کرتے تو پتہ چلتا کہ کوئی صاحب روحانیت بات کررہا ہے۔

الغرض موضوع سخن جس طرح پلٹ جاتا بحر بے کنار کی طرح حضورﷺ گفتگو فرماتے۔ حضورﷺ معارف کے خزانے لٹاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خطاب کے ذریعے نہ صرف لوگوں کو ڈرایا نہیں جاتا تھا بلکہ جرات وشجاعت عطا کی جاتی تھی۔ الغرض حضور علیہ السلام اپنے خطابت کے رنگ میں عدیم المثال تھے۔ تاریخ کے خطبہ میں سے نہ کوئی پہلے حضورﷺ جیسا خطیب آیا نہ کوئی قیامت تک حضور علیہ السلام جیسا خطیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے خطابت کو ایسا رنگ اور ڈھنگ عطا کیا کہ آج بھی دنیا آپ کے انداز خطابت کی پیروی کرتی ہے۔

☆☆☆☆☆

سیدنا صدیق اکبرؓ کے فضائل و مناقب

حضرت ابوبکر صدیقؓ خود بھی صحابی تھے اور ان کے والد محترم ابوقحافہ بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے

سعدیہ کریم

سیدنا صدیق اکبرؓ عبقری شخصیت تھے وہ نہایت مستحکم ایمان کے حامل اور انتہائی بلند اخلاق کے مالک تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے دوست اور ساتھی تھے۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے خوش نصیب تھے۔

نام ونسب:

سیدنا صدیق اکبرؓ کا نام عبداللہ اور کنیت ابوبکر تھی والد کا نام عثمان بن ابو عامر تھا اور کنیت ابوقحافہ تھی۔قریش کے دس معزز ترین گھرانوں میں سے بنوتیم بن مرہ سے تعلق رکھتے تھے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا نسب ساتویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جاملتا ہے۔آپ بہت خوبیوں والے انسان تھے۔ آپ کے متعدد القاب ہیں اور ہر لقب آپ کی کسی خوبی کی عکاسی کرتا ہے۔ ''عتیق''، ''صدیق''، ''اتقی'' اور ''اواہ'' آپ کے مشہور القاب ہیں۔

مکہ مکرمہ میں بنوتمیم بن مرہ جو سیدنا صدیق اکبرؓ کا قبیلہ تھا، خون بہا اور دیتیں جمع کرنے پر مامور تھا جب صدیق اکبرؓ عالم شباب کو پہنچے تو خون بہا اور دیتیں جمع کرنے کی خدمت ان کے سپرد کردی گئی۔ خون بہا کے اموال انہی کے پاس جمع ہوتے تھے قریش کو ان پر اعتماد تھا۔

نسل در نسل صحابہ:

سیدنا صدیق اکبرؓ کے گھرانے کو ایسا شرف حاصل ہوا جو اس گھرانے کے علاوہ کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔ وہ خود بھی صحابی رسول تھے ان کے والد محترم ابو قحافہ بھی صحابی تھے۔ ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن بھی صحابی رسول تھے ان کے والد محترم اور عبدالرحمٰن کے بیٹے محمد بھی صحابیت کے شرف سے ہمکنار ہوئے۔ بیٹی سیدہ عائشہ اور سیدہ اسماء کے حوالے سے بھی انھیں یہ شرف حاصل ہے۔ اسی طرح سیدنا صدیق اکبرؓ کے علاوہ کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے کہ اس کے والد، والدہ، اولاد سب مسلمان ہوں اور انہیں رسول اکرم ﷺ کے صحابی ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہو۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کی صفات حمیدہ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبرؓ سے نہ صرف ان کی قوم کے لوگ بہت محبت کرتے تھے بلکہ دوسری قوموں کے لوگ بھی آپ کے شرف وفضل اور عمدہ اخلاق کے معترف تھے۔ آپ کے علم، فن تجارت اور حسن سلوک کی وجہ سے لوگ بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ جب آپ قریش کے ناروا سلوک کی وجہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرکے جارہے تھے تو ایک عرب سردار حارث بن یزید ابن الدغنہ نے آپؓ کے مکہ چھوڑنے پر انتہائی افسردگی اور غم کا اظہار کیا اور آپ کی صفات کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

''آپ محتاج لوگوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندہ اور غریب لوگوں کے قرض کا

اور دوسرے لوگوں کا بوجھ اپنے سر لے لیتے ہیں، مہمان کی عزت اور خدمت کرتے ہیں اور حق کی راہ میں پیش آنے والے مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔‘‘

ابن الدغنہ نے کہا: آپ جیسے اعلیٰ اخلاق کے لوگوں کو بستیوں سے نکلنا چاہیے نہ نکالا جانا چاہیے۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں، آپ واپس تشریف لائیے۔ آپ نے ایسے معاشرے میں آنکھ کھولی تھی جہاں شراب، جواء اور بت پرستی عام تھی لیکن آپ نے اسلام سے پہلے ہی شراب کو اپنے اوپر حرام دے دیا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اپنی عزت اور اخلاق کو پراگندہ ہونے سے بچاتا تھا جو انسان شراب پیتا ہے اس کی عزت اور اخلاق ضائع ہوجاتے ہیں۔ جب یہ بات رسول خدا تک پہنچی تو آپﷺ نے فرمایا:

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ’’اللہ کی قسم! ابوبکرؓ کی زندگی کی ایک گھڑی آل فرعون کے مومن کی پوری زندگی سے بہتر ہے۔ اس نے اپنے ایمان کو چھپایا اور ابوبکر صدیقؓ نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنے ایمان کا اظہار و اعلان کیا۔‘‘

’’ابوبکر نے سچ کہا ہے، ابوبکر نے سچ کہا ہے۔‘‘

آپؓ بتوں کی پوجا سے بھی بیزار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روشن عقل، سلیم فطرت اور عمدہ اخلاق کے باعث جہلاء والے ان تمام افعال سے بچائے رکھا جو عزت و کرامت اور اخلاق و کردار کو پراگندہ کرتے ہیں اور عقل سلیم و انسانی فطرت کے منافی ہیں۔

اسلام کے پہلے بے باک خطیب:

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب 38 لوگ اسلام قبول کرچکے تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے رسول اکرمﷺ سے اصرار کیا کہ علی الاعلان دعوت اسلام دیجئے۔ رسول خدا ابھی ایسا نہیں چاہتے تھے لیکن سیدنا صدیق اکبرؓ اصرار کرتے رہے اور خود اعلانیہ تبلیغ کے لیے باہر نکل آئے۔ مسجد حرام کے باہر تمام قبیلوں کے لوگ جمع تھے وہاں سیدنا صدیق اکبرؓ تقریر کے لیے اٹھے اور لوگوں کو علی الاعلان اسلام کی دعوت دی۔ اس طرح انھوں نے اسلام کے پہلے بے باک خطیب ہونے کا شرف حاصل کیا۔ مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور انھیں بری طرح زدوکوب کیا۔

امت کے سب سے زیادہ رحیم و شفیق انسان:

سیدنا صدیق اکبرؓ اسلام کی دعوت کے لیے ایک عظیم سرمایہ تھے۔ آپ اخلاق فاضلہ، اوصاف حمیدہ اور نرم خوئی سے متصف قریش کے ہاں ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ اپنے حسن اخلاق کی بدولت ہی لوگ آپؓ کے گرویدہ تھے۔ رسول اکرمﷺ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

’’میری امت میں سے امت کے ساتھ سب سے زیادہ رحیم و شفیق شخصیت ابوبکر ہیں۔‘‘ (الجامع الصغیر)

سیدنا صدیق اکبرؓ دیگر صفات کے علاوہ بہادری میں بھی سب سے آگے تھے۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے تو جب کسی نے لڑائی کی دعوت دی تبھی میں نے اس سے مقابلہ کیا لیکن سیدنا صدیق اکبرؓ بہادری میں ہم سب سے آگے تھے۔ ہم نے ایک غزوے میں نبی اکرمﷺ کے لیے خیمہ نصب کیا۔ ہم نے کہا کہ رسول اکرمﷺ کی حفاظت کون کرے گا تاکہ مشرکین میں سے کوئی آپؐ پر حملے کی جرات نہ کرسکے اللہ کی قسم صرف ابوبکر صدیقؓ ہی تھے جو اپنی تلوار لہراتے ہوئے آگے بڑھے جو بھی رسول اللہ کی طرف لپکتا ابوبکر اس پر بل پڑتے۔ یقیناً آپ سب سے زیادہ شجاع تھے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ

’’اللہ کی قسم! ابوبکرؓ کی زندگی کی ایک گھڑی آل فرعون کے مومن کی پوری زندگی سے بہتر ہے۔ اس نے اپنے ایمان کو چھپایا اور ابوبکر صدیقؓ نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنے

ایمان کا اظہار و اعلان کیا۔“

ابوبکر صدیقؓ تمام صحابہ میں صائب الرائے:

سیدنا صدیق اکبرؓ کو یہ مقام حاصل تھا کہ وہ ہر بات علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر کرتے تھے۔ آپ تمام صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر صائب الرائے اور عقل و دانش میں سب سے کامل تھے۔

حسب ونسب کے عالم:

سیدنا صدیق اکبرؓ حسب نسب اور تاریخ عرب کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ میں ایک خوبی یہ تھی کہ کسی کا نسب بیان کرتے وقت اس کا عیب ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔ سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمﷺ نے فرمایا:

”ابوبکر قریش کے انساب کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔“

مغفرت الٰہی کیلئے سیدنا صدیق اکبرؓ کا اشتیاق:

سیدنا صدیق اکبرؓ مسطح بن اثاثہؓ کی کفالت کیا کرتے تھے جب مسطحؓ نے سیدہ عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کا ساتھ دیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قسم اٹھائی کہ وہ مسطحؓ کو کبھی کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر وحی نازل فرمائی کہ

”اور تم میں سے فضل اور وسعت والے، قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مالی مدد مدد دینے کی قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (النور:۳۱)

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ آیت مبارکہ سنی تو فرمایا: اللہ کی قسم! میں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو پسند کرتا ہوں۔

چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی خاطر ہمیشہ مسطح کو خرچہ دوں گا۔ رسول اکرمﷺ کو سب

> آپ فرماتے تھے کہ میں اپنی عزت اور اخلاق کو پراگندہ ہونے سے بچاتا تھا جو انسان شراب پیتا ہے اس کی عزت اور اخلاق ضائع ہوجاتے ہیں۔ جب یہ بات رسول خدا تک پہنچی تو آپﷺ نے فرمایا: ”ابوبکر نے سچ کہا ہے، ابوبکر نے سچ کہا ہے۔“

سے زیادہ محبوب سیدہ عائشہؓ اور صدیق اکبرؓ تھے۔

سیدنا عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپﷺ نے فرمایا عائشہؓ۔ میں نے کہا مردوں میں سے کون ہے؟ تو آپﷺ نے فرمایا عائشہ کا باپ یعنی ابوبکر صدیقؓ۔ آپؓ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں سب سے بڑھ کر تھے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ صحابہ کرامؓ میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا علم رکھنے والے تھے اور سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والے تھے۔ تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ تمام امت میں سب سے بڑے عالم تھے۔ علم وفضل میں اس برتری کی وجہ نبی اکرمﷺ کے ساتھ آپ کی دائمی وابستگی ہے۔ آپ سفر و حضر میں ہمیشہ رسول اللہﷺ کے ساتھ رہتے۔ عشاء کی نماز کے بعد آپؐ کے ساتھ باتیں کرتے۔ مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں رسول خدا سے گفتگو فرماتے۔ جب رسول خداﷺ صحابہ کرامؓ سے کوئی مشورہ طلب کرتے تو مجلس میں سب سے پہلے آپؓ سے مشورہ لیا جاتا اور اگر کوئی آپ کے مشورہ کے مخالف رائے کا اظہار کرتا تو آپ کی رائے کو ترجیح دی جاتی اور اس کی پیروی کی جاتی تھی۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ایمان کی عظمت:

حضرت ابوبکرہ ثقفیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمﷺ سے پوچھا: تم میں سے کس نے خواب دیکھا ہے؟ ایک آدمی

ابن الدغنہ نے کہا: آپ جیسے اعلیٰ اخلاق کے لوگوں کو بستیوں سے نکلنا چاہیے نہ نکالا جانا چاہیے۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں، آپ واپس تشریف لائیے

نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک میزان نازل ہوئی اور اس میں آپ کا اور سیدنا ابوبکرؓ کا وزن کیا گیا تو آپ سیدنا ابوبکرؓ سے وزن میں بھاری رہے، پھر سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا وزن کیا گیا تو سیدنا ابوبکرؓ کا پلڑا وزنی ہوا پھر سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ کا وزن کیا گیا تو سیدنا عمرؓ اور سیدنا عثمانؓ سے بھاری ثابت ہوئے۔ پھر وہ میزان اوپر اٹھائی گئی۔ رسول اللہﷺ اس خواب سے کبیدہ خاطر ہوئے پھر آپﷺ نے فرمایا:

''یہ نبوت کی خلافت ہے پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بادشاہی عطا کرے گا۔''

سیدنا حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خداﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر صدیقؓ کو جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔

کاتب وحی:

سیدنا صدیق اکبرؓ کا نام بھی کاتبین وحی صحابہ کرامؓ کی فہرست میں شامل ہے۔ آپ کے علاوہ اس فہرست میں سیدنا عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زید بن ثابتؓ، عامر بن فہیرہؓ، عبداللہ بن ارقمؓ، ابی ابن کعبؓ، ثابت بن تمیسؓ، خالد بن سعیدؓ بن عاصؓ، حنظلہ بن ربیع الاسدیؓ، معاویہؓ اور شرجیل بن حسنہؓ کے نام شامل ہیں۔

قرآنی آیات کے مصداق:

تفسیری روایات کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیقؓ قرآن مجید کی کئی آیات کا مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وہ ذات جو سچ لائی اور جس نے ان کی تصدیق کی یہ لوگ متقی ہیں۔'' (الزمر:۳۳)

مشہور تفسیر کے مطابق سچ کے ساتھ مبعوث ہونے والے محمدﷺ اور ان کی تصدیق کرنے والے ابوبکر صدیقؓ ہیں۔

اسی طرح ایک اور ارشادی باری تعالیٰ ہے کہ

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔'' (التوبہ:۱۱۹)

یہ آیت غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے کعب بن مالک اور دیگر دو افراد کے بارے میں نازل ہوئی۔ انھوں نے رسول اللہﷺ کے سامنے اپنی سستی کا اعتراف کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سچ کی برکت سے ان کی توبہ قبول کرلی۔ اس آیت میں الصادقین صحابہ کرامؓ کو کہا گیا اور مفسرین نے کہا کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ سچوں کے امام ہیں۔ اس لیے بالاولی وہ اس آیت کا مصداق ہیں۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے فضائل و مناقب کا خلاصہ/ حاصل کلام:

سیدنا صدیق اکبرؓ رسول خداﷺ کے محبوب ترین صحابی تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی شخصیت میں اعلیٰ قائدانہ صفات جمع ہوگئی تھیں مثلاً عقیدے کی سلامتی، علم شریعت سے کامل روشناسی، اللہ پر توکل، صدق، قناعت، شجاعت، مروت، زہد، ایثار و قربانی، مردم شناسی، معاونین کا حسن انتخاب، انکسار، دوسروں کی قربانی اور خدمات کو سراہان اور ان کا اعتراف کرنا، حلم، بردباری، صبر، عالی ہمتی، پختہ عزمی، قوی ارادہ، عدل و انصاف، مشکلات حل کرنے کا ملکہ، دوسروں کی تعلیم و تربیت اور قائدین کی تیاری کا فن آپ کی بہت اہم اور نمایاں خوبیاں ہیں۔

آپ کی بہت سی خوبیاں اس وقت ظاہر ہوئیں جب آپ خلیفہ بنے آپ نے اللہ کی توفیق سے حکومت اسلامیہ کی حفاظت کی اور فتنہ ارتداد کا قلع قمع کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی امت اسلامیہ کو اس کے طے شدہ اہداف کی طرف گامزن کردیا۔

☆☆☆☆☆

باب الاسلام سندھ تاریخ کے آئینے میں

حضرت عمرؓ کے عہد میں بحرین کے گورنر عثمان بن ابی العاص ثقفی نے اپنے دو بھائیوں حاکم اور مغیرہ کی مدد سے ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں جہاد کیا

ڈاکٹر انیلہ مبشر

ہندوستان میں اسلام جیسے عالمگیر مذہب کی آمد اور حکمرانی کا سلسلہ باب الاسلام سندھ کی فتح سے ہوا۔ نورِ اسلام کی ابتدائی کرنیں اسی عظمت کدہ میں اتریں اور اہل سندھ کو احترام انسانیت، رواداری، فراغ دلی، فیاضی طبع، بے تعصبی اور معاشرتی انصاف جیسی اعلیٰ و ارفع اسلامی اقدار سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ بقول احمد بن یحییٰ بلازری مصنف ''فتوح البلدان'' فتح سندھ سے فاتحین اور مفتوحین کے درمیان محبت و یگانگت کا گہرا رشتہ قائم ہوا۔ یقیناً یہ رشتہ مذہب، سیاست، معاشرت، ثقافت اور علوم وفنون جیسے تمام شعبہ جات کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خطہ سندھ پر اسلامی تہذیب وتمدن کے ان مٹ نقوش مابعد کے ادوار میں واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

سندھ پر مہم جوئی کی ابتدا:

عرب اور ہندوستان کے درمیان قدیم الایام سے تجارتی روابط قائم تھے۔ انقلاب اسلام کے باوجود یہ تجارتی تعلقات منقطع نہ ہوئے۔ مسلمان تاجر اپنی کشتیاں اور عربی جہاز لے کر عرب سے ہندوستان اور سراندیپ (سری لنکا) کے سواحل پر آتے جاتے۔ ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے لے کر لنکا تک عرب تاجروں نے اپنی نو آبادیاں قائم کر رکھی تھیں۔ سیاسی اعتبار سے اسلامی عرب اور خطہ ہندوستان کا پہلا واسطہ آغاز اسلام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ظہور پذیر ہوا۔ مشہور مورخ طبری کے مطابق حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں سرکاری طور پر مہم جوئی حکم بن عمرو کے ذریعے انجام پائی۔ انھوں نے اسلامی فوج کے ہمراہ مکران کی مہم کے دوران سندھ اور ایران کی مشترکہ افواج سے جنگ کی اور انہیں شکست دی۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں بحرین کے عرب گورنر عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ نے اپنے دو بھائیوں حاکم اور مغیرہ کی مدد سے ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں جہاد کیا۔ ہندوستان کے تین ساحلی مقامات پر مجاہدین اسلام کی تشریف آوری ہوئی ان میں ایک تھانہ (متصل بمبئی) بھڑوچ (گجرات) اور دیبل (متصل کراچی) شامل ہیں۔ حضرت عمرؓ دور دراز بحری مہمات کے حق میں نہ تھے اس لیے انہوں نے سرکاری طور پر ان مہمات کو آگے بڑھانے کے احکامات صادر کرنے سے انکار کردیا۔ البتہ مکران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا جو سندھ کی سرحد پر واقع تھا۔ اس کے بعد عربوں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک عہد تک ہندوستان پر باقاعدہ مہم جوئی نہ کی مگر چند اہم واقعات نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کردیا۔

فتح سندھ کا پس منظر:

اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں گورنر عراق حجاج بن یوسف مشرقی مفتوحہ علاقوں کا نگران تھا۔ حجاج

بن یوسف اسلامی تاریخ میں سخت گیری، بہادری، انتظامی قابلیت کے ساتھ ساتھ جذبہ جہاد وفتوحات کے لیے مشہور تھا۔ سندھ پر اس وقت راجہ داہر کی حکومت تھی جس کے اسلامی سلطنت سے تعلقات کشیدہ تھے۔ اس نے ان باغی عربوں کو پناہ دے رکھی تھی۔ جنہوں نے مکران کے مسلم گورنر سعید بن اسلم کو قتل کیا تھا۔ راجہ داہر نہایت متعصب برہمن زادہ تھا جس نے اپنی رعایا اور بدھ مت کے پیروکاروں پر بے پناہ ظلم ڈھائے ان مظلومین میں جاٹ اور بویان قومیں بھی شامل تھیں۔

برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے اسلام کی شمع منور کرنے کا شرف اسلام کے جواں سال بطل جلیل محمد بن قاسم ثقفی کو حاصل ہوا

اس کے برعکس جزیرہ لنکا کا راجہ دربار خلافت سے دوستانہ مراسم کا خواہاں تھا۔ چنانچہ کچھ جہاز ان تحائف سے لدے ہوئے عرب آرہے تھے جو لنکا کے راجہ نے خلیفہ اسلام کی خدمت میں بھجوائے تھے۔ ان کے ساتھ کئی مسلمان تھے جو حج کی نیت سے جارہے تھے۔ ان میں مسلمان تاجروں کی بیویاں اور بچے بھی تھے جو لنکا میں وفات پاگئے تھے۔ مگر ان جہازوں کو ساحل دیبل کے قریب بحری قزاقوں نے لوٹ لیا۔ عورتوں، بچوں اورمردوں کو قیدی بنا کر سندھ میں لے گئے۔ انہی میں ایک عورت قبیلہ بنی یربوع کی تھی جو پکاری ''یا حجاج اغثنی'' کہ اے حجاج ہماری مدد کو پہنچ۔ حجاج بن یوسف کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ جوش غضب سے کانپ اٹھا اور راجہ داہر سے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا مگر راجہ داہر نے نہایت غیر ذمہ دارانہ جواب دیتے ہوئے کہا کہ ان بحری قزاقوں پر ہماری کوئی گرفت نہیں تم خود ہی اپنے قیدی چھڑا لو۔ چنانچہ تادیبی کاروائی کے طور پر حجاج بن یوسف نے 710ء میں یکے بعد دیگرے دو مہمات عبیداللہ اور بدیل کی سرکردگی میں روانہ کیں مگر دونوں سپہ سالار میدان جنگ میں شہید ہوئے اور یہ مہمات ناکام ہوئیں۔

محمد بن قاسم اور فتح سندھ:

حجاج بن یوسف کو ان شکستوں کا بہت صدمہ تھا چنانچہ خلافت اسلامیہ اور امارت حجاج کے وقار کی خاطر اس نے اپنے ترکش کا بہترین تیر آزمانے کا ارادہ کیا۔ اس مہم کے سپہ سالار کے طور پر اپنے داماد اور بھتیجے محمد بن قاسم ثقفی کا انتخاب کیا جو اس وقت حاکم فارس تھا اور ایرانی فتوحات میں بطور سپہ سالار عسکری ذہانت اور فہم و فراست کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ اس نے چھ ماہ شیراز میں رہ کر ہند سندھ میں جہاد کا مکمل انتظام کیا۔ حجاج بن یوسف نے دربار خلافت سے چھ ہزار شامی فوج روانہ کی۔ محمد بن قاسم کی اپنی سپاہ اور رضا کار مجاہدین کی بدولت اس کی تعداد بارہ ہزار کے قریب ہوگئی۔ بحری راستے سے جہازوں کا ایک بیڑہ بھی سامان رسد اور قلعہ شکن منجنیقیں لے کر روانہ ہو چکا تھا۔ جس میں عروس نامی منجنیق شامل تھی جسے 500 آدمی حرکت دیتے تھے۔ محمد بن قاسم اپنی سپاہ کے ہمراہ مکران سے ہوتا ہوا خشکی کے راستے سندھ میں داخل ہوا اور اپنی لاجواب عسکری قابلیت کی بدولت ارمابیل (لس بیلہ) کو تسخیر کیا اور یہاں قلعہ کا کنٹرول سنبھال لیا۔

اب محمد بن قاسم کی اگلی منزل دیبل تھی جو راجہ داہر کی سلطنت کا مشہور شہر اور بندرگاہ تھا۔ اسلامی فوج کی آمد پر یہاں کے باشندے قلعہ بند ہوگئے۔ شہر کے گرد فصیل بہت مضبوط اور چوڑی تھی۔ شہر کے وسط میں ہندوؤں کا مشہور مندر تھا۔ جس کے گنبد پر سرخ جھنڈا لہراتا تھا۔ عوام کا عقیدہ تھا کہ جب تک یہ جھنڈا بلند رہے گا کوئی شہر کو فتح نہیں کر پائے گا۔ دوران محاصرہ محمد بن قاسم نے گنبد اور جھنڈے پر عروس منجنیق سے سنگباری کا حکم دیا۔ جس سے گنبد ٹوٹ گیا اورجھنڈا زمین بوس ہوگیا۔ اہل شہر کی ہمت پست ہوگئی۔ مسلم جانباز کمال بہادری سے کمند ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے اور سخت جنگ کے بعد شہر پر محمد بن قاسم کا قبضہ ہوگیا۔ مسلم قیدیوں کو رہائی دلوائی گئی جو جنگ کا موجب بنے تھے۔

اہل شہر حیران تھے کہ مسلم فاتحین نے نہ شہر کو لوٹا نہ قتل عام کیا اور نہ ہی عورتوں کو بے آبرو کیا۔ محمد بن قاسم کے حسن سلوک کی شہرت چہار سو پھیل گئی۔ چنانچہ دیبل سے تھوڑی مسافت پر نیرون (موجودہ حیدر آباد کے قریب) کے راجہ بھدرکن نے جنگ سے گریز کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیے اور اسلامی فوج کا پرتپاک استقبال کیا۔ اسی طرح برج کی آبادی بھی اطاعت گزار رہی۔ اس کے بعد اہم شہر سیوستان (سہوان) تھا۔ سہوان کا راجہ بجرا راجہ داہر کا بھتیجا تھا۔ اس نے ابتدا میں قلعہ بند ہوکر جنگ کی مگر وہ اہل شہر میں غیر مقبول تھا۔ جس پر شہریوں نے بغاوت کرتے ہوئے اسلامی فوج کی اطاعت قبول کی اور راجہ بجرا رات کے اندھیرے میں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ محمد بن قاسم نے سیم پر قبضہ کے بعد راجہ داہر کے پایہ تخت پر فوج کشی کا ارادہ کیا گیا۔

سندھ میں محمد بن قاسم کا سب سے اہم مقابلہ راجہ داہر کی فوج سے ہوا جو دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر خیمہ زن تھی۔ دونوں افواج کے درمیان دریائے سندھ حائل تھا۔ راجہ داہر نے جابجا تیر انداز متعین کردیئے تاکہ مسلمان دریا عبور نہ کرسکیں مگر عسکری فہم و فراست کے ماہر محمد بن قاسم نے رات کی تاریکی میں کمال سرعت سے کشتیوں کو جوڑ کر ایسا پُل بنایا کہ اسلحہ جنگ سمیت فوج کو مشرقی ساحل پر اتار دیا۔ آخری معرکے میں دونوں افواج آمنے سامنے صف آرا تھیں۔ راجہ داہر پرشکوہ اور کوہ پیکر ہاتھیوں کی صف کے ساتھ سپید ہاتھی پر سوار تھا۔ اس کے جلو میں اس کا بیٹا جے سنگھ دس ہزار فوج کے ہمراہ موجود تھا۔ تیس ہزار پیدل سپاہ بھی موجود تھی۔ آغاز جنگ میں ہی کئی خونریز معرکے ہوئے۔ ہاتھیوں کی دیوار آہن کے سامنے مسلمانوں کا زور نہ چلتا تھا چنانچہ انہوں نے نفت کے ذریعہ آگ برسانا شروع کردی تو ہاتھی بدحواسی میں بھاگے۔ خود راجہ داہر کا ہاتھی بھی بھاگنے پر مجبور ہوا۔ بعد ازاں راجہ داہر کے بہت سے سردار مارے گئے تو وہ عام سپاہیوں کے ہمراہ پاپیادہ لڑتے ہوئے مارا گیا۔ سندھی فوج کو شکست ہوئی اور میدان

محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ کی فتح کے دور رس اثرات مرتب ہوئے کیونکہ ہم ان تمام عوامل کو نظر انداز نہیں کرسکتے جس کے باعث تمام تر خارجی اور داخلی اثرات کے امتزاج نے ایک ایسے تمدن کو جنم دیا جس کے اثرات سندھ اور پنجاب کی حدود سے نکل کر برصغیر پاک و ہند کے تمام علاقوں میں پھیل گئے

مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

یہ معرکہ حق و باطل 20 جون 712ء مطابق 10 رمضان المبارک 93ھ کے دن وقوع پذیر ہوا اور سندھ باب الاسلام قرار پایا۔ مسلمان ہر سال 10 رمضان المبارک کو یوم باب الاسلام مناتے ہیں۔ راجہ داہر کی شکست کے بعد برہمن آباد سے ملتان تک کا علاقہ بآسانی مسلم تسلط میں آگیا۔ اس طرح برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے اسلام کی شمع منور کرنے کا شرف اسلام کے جواں سال بطل جلیل محمد بن قاسم ثقفی کو حاصل ہوا۔

فتح سندھ کے نتائج و اثرات:

محمد بن قاسم نے ہندوستان میں چار سالہ مختصر قیام کے دوران اور اس کے بعد آنے والے عرب حاکموں نے سندھ میں جس نظم و نسق کو جاری کیا وہ معاشرتی انصاف، رواداری اور رعیت پروری پر مبنی تھا۔ محمد بن قاسم نے ہندوؤں کو ذمیوں کا درجہ دے کر اپنا معاون و شریک بنایا۔ راجہ داہر کے وزیر سی ساگر کو اپنا مشیر خاص بنایا۔ ہندوؤں کے پرانے نظام کو حتی الوسع تبدیل نہ کیا گیا۔ مثلاً مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ قاضی کرتے مگر ہندوؤں کے لیے ان کے شخصی قوانین اور پنچائتیں بدستور قائم رہیں۔ ہندوؤں کو مندروں میں ہر طرح

کی مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ان اقدامات سے حاکم ومحکوم میں بہترین تعلقات استوار ہوئے۔ یہ ایک ایسا نظام تھا جسے شمالی ہند میں مسلم ترک حکمرانوں نے بھی جاری رکھا۔

سندھ و ملتان میں مسلم فتوحات کے بعد اسلامی تہذیب وتمدن کے فروغ کے آثار نمایاں طور پر نظر آتے ہیں مثلاً حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو حکم دے رکھا تھا کہ جہاں بھی کوئی قدیم موضع اور مشہور قصبہ و شہر ہو وہاں مسجدیں اور منبر تعمیر کیے جائیں۔

چنانچہ دیبل سے متعلق بلاذری کا بیان ہے کہ محمد بن قاسم نے پیمائش کرکے زمین کے قطعات مسلمانوں میں تقسیم کیے۔ مسجد بنوائی اور چار ہزار مسلمانوں کو آباد کیا۔

بعد ازاں یہ مساجد علوم وفنون کے مراکز ثابت ہوئی۔ کوفہ و بصرہ سے علماء و مشائخ کی آمدو رفت جاری ہوئی۔ اہل عرب کے طرز پر یہاں حلقہ درس جاری ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ اولیاء کرام اور بزرگان دین کی آمد کا سلسلہ بھی شروع ہوا اور اسلام کی نشرو اشاعت کا سامان ہوا۔ سندھ میں شیخ ابوتراب تبع تابعی المتوفی 788ء کے مرزار عہد اسلامی کی سب سے قدیم زیارت گاہ ہے۔ سندھ میں اسلامی علوم وفنون کے فروغ سے اس ظلمت کدہ میں ایسے علماء اور مشائخ نے جنم لیا جنھوں نے بغداد و حجاز مقدس اور اسلامی ممالک میں اپنی علمی حیثیت کو منوایا۔ مثلاً ابومعشر سندھی فن معازی و سیر کے امام تھے جن کی نماز جنازہ خود خلیفہ ہارون الرشید نے پڑھائی۔ رجا السندھی علم حدیث کے ماہر ومحدث تھے۔ ابو عطا سندھی ایک عربی و سندھی شاعر تھے۔ بایزید بسطامیؒ کے حالات زندگی میں ایک استاد ابوعلی سندھی کا ذکر ملتا ہے۔ بغداد میں خلیفہ منصور نے دارالترجمۃ قائم کیا تو سنسکرت کی کتابوں کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا کام شروع ہوا۔ مثلاً علم ہیت کی کتاب ''سدھانت'' کا ترجمہ عربی میں السندہند کے نام سے ہوا۔ مشہور عرب ریاضی دان خوارزمی نے ہندی حساب کو عربی میں منتقل کیا۔ اسی طرح سنسکرت کی مشہور کتاب ''کلیہ و دمنہ'' کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا۔

ہند اور عرب کے تجارتی روابط تو عرصہ دراز سے قائم تھے مگر فتح سندھ کے بعد یہ روابط تمام شعبہ ہائے حیات پر پھیل گئے۔ اہل سندھ تہذیب و شائستگی سے بہرہ ور ہوئے۔ یہاں چھوت چھات اور ذات پات کا نظام اس طرح قائم نہ رہا جیسے باقی ہندوستان میں موجود تھا۔ عرب سپاہیوں نے سندھ میں مستقل سکونت اختیار کی تو مقامی عورتوں سے شادیاں کیں جس سے مخلوط خاندانوں کی بنیاد پڑی۔ اس کی یادگار سندھی زبان ہے۔ کھجور کے درخت، اونٹ اور عربی گھوڑے و عربی لباس سندھی تہذیب وثقافت کا حصہ قرار پائے۔

مسلمان ہر سال 10 رمضان المبارک کو یوم باب الاسلام مناتے ہیں

الغرض سندھ کی فتح کے بعد مسلم ثقافت نے ہر اعتبار سے ہندو ثقافت کو متاثر کیا۔ توحید پرستی، معاشرتی اقدار، فن تعمیر، موسیقی، باغبانی، علوم وفنون اور شعر و ادب غرض ہر پہلو سے اسلامی تہذیب کا امتیاز محسوس کیا گیا۔ مورخین متفق ہیں کہ عرب کی اسلامی تہذیب اور پھر ایران کی ثقافت نے ہندوستان آنے پر ہندی آریائی تہذیبی اکائی سے متصادم ہوکر ایک نئے ثقافتی مرکب کی شکل اختیار کی۔ یہاں تک کہ ایک ہزار سال کے دوران یہ ایک مستقل اور جداگانہ ثقافتی اکائی بن گئی۔ بقول مورخ

یہ عرب تہذیب ہندی آریائی ثقافت سے زیادہ جاندار تھی اس لیے اس کا ہندی تہذیب پر گہرا اثر ہوا۔

چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ کی فتح کے دور رس اثرات مرتب ہوئے کیونکہ ہم ان تمام عوامل کو نظر انداز نہیں کرسکتے جس کے باعث تمام تر خارجی اور داخلی اثرات کے امتزاج نے ایک ایسے تمدن کو جنم دیا جس کے اثرات سندھ اور پنجاب کی حدود سے نکل کر برصغیر پاک و ہند کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔

☆☆☆☆☆

فریدِ ملتؒ اور پاسدارِیِ شریعت

سب سے زیادہ متقی اور زہد و ورع کا حامل وہ شخص گردانا گیا ہے جو قبر کا امتحان نہ بھولے

فاخرِ نسبت فریدِ ملتؒ محمد شفقت اللہ قادری

ایک حدیث مبارک کی روشنی میں دو لفظی الحاق اصطلاح 'زہد و تقویٰ' سے مضمون کا آغاز کریں گے۔ لفظ زہد کا لغوی مفہوم ہمہ جہت عبادت گذاری اور لفظ تقویٰ کا لغوی مفہوم ہے: خشیتِ ایزدی، پرہیزگاری، پارسائی کا خوگر ہونا۔ اس کا عملی اِظہار یوں ہوتا ہے کہ زہد و تقویٰ کی روح کو اپنے اندر سمو لینا کہ خالصتاً خشیتِ ایزدی اور خوفِ الٰہی میں عبادت گذاری، پرہیزگاری، پارسائی کے ساتھ سعیِ مسلسل اور طلب جستجوءِ مولا کو اپنی روح میں اس طرح جاں گزیں کر لیا جائے جیسے ہم رب العالمین کو دیکھ رہے ہیں۔

زہد و تقویٰ کی روح یہ ہے کہ متقی لوگ اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے آئینہ میں اس طرح بسر کریں کہ اُن کی زندگیاں اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ کا مصداق بن جائیں، ایسا مصداق کہ جن کے لیے قرآن حکیم بذاتِ خود یہ فرما رہا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَo (التوبۃ، ۹:۷)

بے شک اللہ پرہیزگاروں کو پسند فرماتا ہے (محبت کرتا ہے)۔

سنن ابن ماجہ شریف کی حدیث مبارک میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو یوں نصیحت فرمائی:

''تم دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ جو چیز لوگوں کے پاس ہو، اُس سے بھی بے رغبتی اختیار کرو تو لوگ تمہارے ساتھ پیار کریں گے۔''

حدیث مبارک کا تفسیری جائزہ لیا جائے تو محبوبِ خدا محمد مصطفی ﷺ نے زاہد اور متقی کے لیے درج ذیل شرائط لازم قرار دی ہیں:

اول: اللہ سے شدید محبت کے دعوے دار متقی لوگ قطعی طور اس دنیا سے دل نہ لگائیں اور لوگوں کے مال و دولت سے قلبی طور پر بے نیازی کا اظہار کریں۔ یہی روگردانی اور اعراض کرنا زہد و تقویٰ ہے۔

دوم: سب سے زیادہ متقی اور زہدو ورع کا حامل وہ شخص گردانا گیا ہے جو قبر کا امتحان نہ بھولے اور دنیا کی محبت ترک کر دے اور باقی (یعنی آخرت) کو فانی (یعنی دنیا) پر ترجیح دے۔

سوم: اللہ رب العزت سے شدید محبت کا دم بھرنے والے متقی و پرہیزگار لوگ دنیا کے مال و مَتاع میں سے فقط ضرورت کے مطابق لے لیتے ہیں۔ وہ دنیا کی سحر انگیزی اور رنگینیوں میں کبھی مبتلا نہیں ہوتے اور نہ کبھی ان کی خواہش کو اپنے اوپر غلبہ پانے دیتے ہیں۔

یہی شرائطِ ثلاثہ حدیث نبوی ﷺ کی روح اور زہد و تقویٰ کی بنیاد ہیں۔

قارئین گرامیِ قدر! مجھے یقین ہے کہ میری یہ اِستدلالیہ نگارش کے بعد آپ کو قرآن کے آئینے میں فریدِ ملتؒ کا مقامِ زہد و ورع سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

فرید ملت کی ساری زندگی اطاعت الٰہی اور

اطاعت مصطفیٰ ﷺ کے تحت عجز و انکساری میں گزری ہے۔ لاریب کہ آپ بندگی خدا کے عظیم خوگر تھے۔ رب العزت کے عباد الصالحین میں سے تھے! اگر میں کہوں کہ ''آہ فغان نیم شبی کے باعث ہمیشہ بارگاہ ایزدی میں توبۃ النصوح طلب کرنے، ساری رات آب دیدہ رہنے، مصلّے پر کھڑے کھڑے خشیتِ ایزدی کے باعث ہچکی کے بندھ جانے اور یہاں تک کے ساری ساری رات مالک یوم الدین کو منانے میں گزر جاتی'' تو اس میں کچھ شک نہیں۔ بے شک وہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی عملی تفسیر تھے۔ خدا تعالیٰ کے پسندیدہ اور نیک بندوں میں سے تھے۔

خالق کائنات نے قرآن مجید میں جن پسندیدہ عباد اور ناپسندیدہ عباد کی نشاندہی کی ہے، ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ. (البقرہ۲:۱۶۵)

ایمان رکھنے والے لوگ اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًاo (الفرقان۲۵:۶۳)

اور (خدائے) رحمٰن کے (مقبول) بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل (اکھڑ) لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔

پھر فرمایا:

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًاo (الفرقان۲۵:۶۴)

یہ (پسندیدہ) وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کیلئے سجدہ ریزی اور قیام (نیاز) میں راتیں بسر کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًاo (الفرقان۲۵:۶۵)

اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو (ہمہ وقت حضورِ باری تعالیٰ میں) عرض گزار رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹالے، بے شک اس عذاب کا بڑا مہلک (اور دائمی) ہے۔

''تم دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ جو چیز لوگوں کے پاس ہو، اُس سے بھی بے رغبتی اختیار کرو تو لوگ تمہارے ساتھ پیار کریں گے۔''

آگے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًاo (الفرقان۲۵:۶۷)

اور یہ (وہ) لوگ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ ہی تنگی (کنجوسی) کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا (زیادتی اور کمی کی) ان دو حدوں کے درمیان اعتدال پر (مبنی) ہوتا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًاo (الفرقان:۲۵:۷۲)

اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو کذب و باطل کاموں میں (قولاً اور عملاً دونوں صورتوں میں) حاضر نہیں ہوتے اور جب بیہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو (اپنا دامن بچاتے ہوئے) نہایت وقار اور متانت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

آخر میں ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا o (الفرقان:۲۵:۷۴)

اور (یہ) وہ لوگ ہیں جو (حضورِ باری تعالیٰ میں) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

جیسا کہ فرید ملت کی قبول دعا کے باعث آپ فرید ملت مجتہد وقت، مجددِ رواں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ تعالیٰ کے والد گرامیٔ قدر اتالیقِ اولؔ مربی شیخ اور رہنما ٹھہرائے گئے۔

أُولٰٓـئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَةَ بِمَا صَبَرُوۡا وَیُلَقَّوۡنَ فِیۡهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًاo (الفرقان:۲۵:۷۵)

انہی لوگوں کو (جنت میں) بلند ترین محلات ان کے صبر کرنے کی جزاء کے طور پر بخشے جائیں گے اور وہاں دعائے خیر اور سلام کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا۔

جیسا کہ حضرت فرید ملت نے کشف القبور (مراقبۂ ملاقات) میں اپنے فرزندِ ارجمند شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ سے فرمایا: بیٹا طاہر! میں جنازہ پڑھانے کے بعد اس لیے مسکرا رہا تھا کہ خالق عظیم نے عرش و فرش کے درمیان حائل تمام پردے ہٹا کر اپنے بے پایاں فضل و کرم اور انوار و تجیات کی بارش فرما دی تھی اور یوں رب اور میرے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہا! اس لئے میں ملاء اعلیٰ کے نظارے سے اپنی روح کے استقبال کے نظاروں میں محو اور گم رہا تھا اور دس دن بعد ملاقات کی وجہ بھی یہی تجلیات و نظائر تھے! جیسے ہی فرصت ملی میں آپ کو ملنے چلا آیا ہوں۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِo (آلِ عمران۳:۱۷)

(یہ لوگ) صبر کرنے والے اور قول و عمل میں سچائی والے ہیں اور ادب و اطاعت میں جھکنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں اور رات کے پچھلے پہر (اٹھ کر) اللہ سے معافی مانگنے والے ہیں۔

اللہ رب العزت نے مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں عباد الصالحین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ تکالیف پر صبر کرنے والے، سچے، با آدب، عبادت گزار، اُس کی راہ میں خرچ کرنے والے اور راتوں کو پچھلے پہر رب کے حضور سجدہ ریز ہوکر مغفرت طلب کرنے والے ہوتے ہیں۔ **الصابرین، الصدقین، القٰنتین، المنفقین، المستغفرین بالاسحار** میرے محبوب ہوتے ہیں اور میں انہیں اپنا دوست ٹھہراتا ہوں۔

یاد رہے کہ اولیاء و صالحین نیکی اور عملِ صالح نہ تو حصولِ جنت کے لیے کرتے ہیں اور نہ ہی اعمال مکروہہ اور سیئات و معصیات سے اس لیے باز رہتے ہیں کہ جہنم سے بچے رہیں بلکہ وہ صرف اور صرف رضائے رب رحمٰن کے لیے عبادات بجا لاتے ہیں۔ سورۃ آل عمران میں ہی ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّـذِیۡـنَ یُـنۡـفِـقُـوۡنَ فِـی السَّـرَّآءِ وَالـضَّـرَّآءِ وَالۡـکٰـظِـمِـیۡـنَ الۡـغَـیۡـظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُـحِـبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَo (آل عمران:۳:۱۳۴)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی (دونوں حالتوں میں) خرچ کرتے ہیں۔ یہ غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

> **امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہیں جن کی ڈاکٹر فرید ملت عملی تفسیر تھے۔ وہ ہمیشہ نیکی کا حکم دیتے اور برائے سے منع فرماتے رہے۔ وہ تقویٰ و طہارت کا عظیم پیکر تھے اور قرونِ اُولیٰ کے اولیاء کی یاد تازہ کرتے تھے**

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل لوگوں کو پسندیدہ بندے قرار دیا گیا ہے:

۱. **متقین:** اللہ سے ہر وقت ڈرنے والے ہوتے ہیں۔
۲. **المنفقین:** خوشی ہو یا غمی ہر حال میں اللہ کے حضور خرچ کرنے والے ہوتے ہیں۔
۳. **الکاظمین الغیظ:** غصہ پی جانے والے ہوتے ہیں۔
۴. **العافین عن الناس:** لوگوں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔
۵. **المحسنین:** احسان کرنے والے ہوتے ہیں یعنی کہ ہمیشہ

بیٹا طاہر! میں جنازہ پڑھانے کے بعد اس لیے مسکرا رہا تھا کہ خالق عظیم نے عرش و فرش کے درمیان حائل تمام پردے ہٹا کر اپنے بے پایاں فضل و کرم اور انوار و تجلیات کی بارش فرما دی تھی اور یوں رب اور میرے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہا! اس لئے میں ملاء اعلیٰ کے نظارے سے اپنی روح کے استقبال کے نظاروں میں محو اور گم رہا تھا اور دس دن بعد ملاقات کی وجہ بھی یہی تجلیات و نظائر تھے! جیسے ہی فرصت ملی میں آپ کو ملنے چلا آیا ہوں

دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔

۶. الذاکرین: ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنے والے ہوتے ہیں۔

۷. فاستغفروا اللہ ربکم: اپنے گناہوں سے توبۃ النصوح کرتے ہیں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۶ کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے محبوب بندوں کے لیے فرمایا ہے۔

۱. الراسخون فی العلم: مومن اور خدا کے پسندیدہ محبوب بندگانِ علم میں پختہ ہوتے ہیں! (جیسا کہ عطش علم فریدِ ملت کو لڑکپن میں ہی پہلے سیالکوٹ اور پھر لکھنو (حیدر آباد) انڈیا) لے گئی۔

۲. المومنون باللہ: اللہ پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔

۳. المومنون بالیوم الآخر: یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہوتے ہیں۔

خالق کائنات کے ناپسندیدہ لوگ:

جہاں خالقِ عظیم ہمیشہ قرآن مجید میں جابجا فرماتے ہیں کہ نیکو کار بندے میرے محبوبین اور میرے دوست ہیں! وہاں رب العالمین نے فرمایا ہے کہ میں ایسے لوگوں کو ناپسند فرماتا ہوں اور وہ قطعی میرے دوست نہیں ہوسکتے جو میرے احکامات نہیں مانتے۔ ایسے بندوں کے اوصاف مختلف مقامات پر بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً سوۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَo (البقرہ،۲:۱۹۰)

خدا حد سے بڑھنے والے لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔

سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا ہے:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَo

(آل عمران،۳:۳۲)

اللہ رب العالمین کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَo (آل عمران،۳:۵۷)

اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

سورۃ النساء میں حکم ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًاo

(النساء،۴:۳۶)

بیشک اللہ اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو تکبر والا (مغرور) فخر کرنے والا (خود پسند) ہو۔

سورۃ النساء میں ہی فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًاo

(النساء،۴:۱۰۷)

خداوند عظیم خائن اور مرتکب جرائم کو پسند نہیں فرماتا۔

سورۃ المائدۃ میں فرمایا گیا ہے:

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَo (المائدہ،۵:۶۴)

اور خدا تعالیٰ فساد کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

سورۃ النحل میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّہٗ لَا یُحِبُ الْمُستَکْبِرِیْنَo (النحل،۱۶:۲۳)

بے شک وہ سرکشوں متکبروں کو پسند نہیں فرماتا۔

مندرجہ بالا بدخصلتیں جن بندوں میں ہوگی، اللہ رب العزت انہیں نہ تو پسند فرماتا ہے اور نہ ہی ان کو اپنا دوست رکھتا ہے؛ بلکہ وہ تو بندہ کہلانے کے بھی حق دار نہیں ہیں۔

قارئین ذیشان! میرے ذاتی مشاہدہ کے مطابق قلندرِ وقت حضور فرید ملت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ لاریب مذکورہ ذیل آیت کریم کے مصداق تھے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo (آل عمران، ۳: ۱۰۴)

تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم دے اور بُرائی (ناپسندیدہ) کاموں سے منع کرے، اور یہی لوگ ہیں جونجات پانے والے ہیں۔

قارئین کرام! مندرجہ احکامِ بالا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہیں جن کی ڈاکٹر فرید ملت عملی تفسیر تھے۔ وہ ہمیشہ نیکی کا حکم دیتے اور برائے سے منع فرماتے رہے۔ وہ تقویٰ و طہارت کا عظیم پیکر تھے اور قرونِ اُولیٰ کے اولیاء کی یاد تازہ کرتے تھے۔ میں فرید ملت کی زندگی کے آخری برسوں کا عینی شاہد ہوں، فرید ملت بے مثل خطیب اور مناظرِ اجل تھے! ذہانت و فطانت کے خوگر اور کاشفِ رموزِ خودی تھے، مومن طبع اور مومن روح تھے۔ میں نے کئی بار آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''مومن کی جنت اور کافر کی دوزخ کی ابتدا اس عالمِ ناسوت میں ہی ہوجاتی ہے۔ مومن اطاعت الٰہی کے باعث دنیا ہی میں اطمینانِ قلب پالیتا ہے اور کافر کے (عاقبت نا اندیش) کفر کے باعث دنیا ہی میں اس کو خوف و ہراس اور روح کی بے چینی دامن گیر ہوتی ہے۔ جیسا کہ آقائے دو جہاں محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

الدنیا سجن المؤمن وجنة الكافر.

(مسلم، الصحیح، ۴: ۲۲۷۲، الرقم: ۲۹۵۶)

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔''

فرید ملت نے اپنی جوانی عبادت گزاری اور حصولِ علم میں گزاری جبکہ مابعد پوری زیست سورۃ المائدہ آیت ۹۲ کی مصداق بسر کی۔

وَاَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا.

(المائدہ، ۵: ۹۲)

''اور خدا کی فرمانبرداری اور رسول (خدا) کی اطاعت کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔''

فرید ملت محسنِ تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل اس آیت کریم کی مصداق ہمیشہ راتوں کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزاری اور خوفِ خدا میں گریہ و زاری اور آہ فغاں نیم شبی کے باعث اپنی جبینِ نیاز حاکم دو جہاں کے حضور سجود رکھتے تھے۔ ان کی زندگی میں اکثر اوقات میں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ خوفِ خدا اور ادبِ عشق مصطفیٰ ﷺ کے باعث جائے نماز پر کھڑے ہوتے تو آپ پر خوف سے کپکپی طاری ہو جاتی اور کسی وقت چہرہ خوشی سے شاداں و فرحاں نظر آنے لگتا۔ میری دانستِ بے مائیگی کے مطابق فرید ملت پر ایسی خاص کیفیت طاری ہوجاتی تھی کہ دیدارِ الٰہی کی جلالت اور تمکنت سے آپ پر خوف طاری ہوتا تھا جبکہ دیدارِ مصطفیٰ ﷺ سے خوشی اور شادمانی کی لہر دوڑ جاتی تھی۔

معزز سامعین کرام! جب فرید ملت کا وصالِ مبارک ہوا تو میں 1974ء میں ایف اے کا سٹوڈنٹ تھا۔ ان کی جائے نماز گھر کے کسی پرسکون گوشۂ تنہائی میں مخصوص ہوا کرتی تھی، رات کے پچھلے پہر جب عمومی طور پر مخلوقِ خدا خوابِ غفلت کی نیند سو رہی ہوتی تو فرید ملت مُصلّے کی پیٹھ پر کھڑے خدائے ربِ جلیل کے حضور دنیا مافیہا سے بے خبر مناجاتِ الٰہی میں ایسے مشغول نظر آتے جیسے روٹھے ہوئے محبوبِ یکتا کو ہزار واسطے دے دے کر منا رہے ہوں اور بالآخر مطمئن ہو جاتے! میرا وجدان مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہا ہے کہ ہر سجدہ میں ربِ الٰہی فرماتا ہوگا کہ: اے میرے فرید! میں تجھ پر راضی ہوگیا اور تو مجھ پر راضی ہوگیا۔ ''اللہ اکبر''۔

☆☆☆☆☆

منقبت

فرید ملت حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ

فاخرِ نسبت فرید ملتؒ محمد شفقت اللہ قادری

علم و حکمت کے کیمیا داں تھے فریدِ ملتؒ
تموجِ بحر عشقِ کبریا تھے فریدِ ملتؒ

تھے فیض یابِ مکتبِ موسویٰؑ آشنائے راہِ حق خضرویٰؑ
کاشفِ رموزِ اسرار تھے سرمستِ عشق میں سرشار تھے فریدِ ملتؒ

کاسہ لیسِ رسول عربیؐ اور منظورِ نظر غوث الوریٰ
قافلۂ قلندراں کے میر کارواں تھے فریدِ ملتؒ

عشقِ جاناں میں مر مٹتے تو میں نے بہت دیکھے ہیں
فنا کے دروازے سے گزر کر حاملِ بقا تھے فریدِ ملتؒ

ذہانت و فطانت تو فطرت میں تھی اور اِدراکِ سخن وری بھی
راہ نوردِ عشق اور مراقب و مُرتاض تھے فریدِ ملتؒ

یہ درست ہے کہ انہیں نصیب تھی آقا کی حضوری
استراحت فرما گھر میں ہوتے مگر یہاں نہیں وہاں ہوتے فریدِ ملتؒ

مانگ لیتے تھے جب چاہتے خدائے منعم سے یقین کے ساتھ
سیرت و گفتار میں سادہ تر مگر بندگی میں تمام تھے فریدِ ملتؒ

ہمہ وقت صبر، شکر، توکل اور قناعت تھا شیوہ ان کا صاحب
ساجد نیم شبی اور سراپائے جود و سخا تھے فریدِ ملتؒ

نباضِ وقت مسیحاءِ دوراں اور تھے جوہر حکمت
لا ریب عشق نبی کے بحر بیکراں تھے فریدِ ملتؒ

تھے وہ مرید غوث الوریٰ اور موید منہاج القرآن صاحبو!
بارگاہ میں گئے تو مُرید تھے لوٹے تو مُراد تھے فریدِ ملتؒ

صاحبو! تھے محبّ مصطفیٰؐ اور مستجاب الدعوات بھی حیراں ہوں
پیکر خشیتِ ایزدی اور اَشـدُّ حُبًّا لِلّٰه کی عملی تفسیر تھے فریدِ ملتؒ

روح کے دریچے کھول دیتے علم کے موتی انمول دیے
رمز شناس عشق اور عاشقوں کے امام بھی وقت کے سکندر تھے فریدِ ملتؒ

رفتارِ خراماں خراماں مگر پرواز میں بلا کی مرتفائی تھی
فرید یکتا اور نابغہ عصر بھی کتنے اسم با مُسمٰی تھے فریدِ ملتؒ

خطیب دہر عالم بے مثل تھے اور شب بیدار بھی
صـراط الـذيـن انـعـمت عليهم کی تفسیر تھے فریدِ ملتؒ

عالم جنوں میں سوختۂ شمعِ رسالت اور عشق کا آتش فشاں
علم طاہر کے آئینۂ مظہریت میں عکسّ تمام تھے فریدِ ملتؒ

محبتوں کا آسمان تھے اور عجز نیاز میں فرش رہ
وہ منتہیِ علم و دانش اور سخن وروں کی جان تھے فریدِ ملتؒ

تھے ساطعِ آسمان علم اور حاملان عرش بھی جس پر رشک کریں شفقتؔ
تھی الفاظ پر دسترس اور مناظر بے مثل بھی وقت کے ابوالکلام تھے فریدِ ملتؒ

مشاورت قرآن وسنت کی روشنی میں

عبادات ہوں یا معاملات، تجارت ہو یا معاشرت
عدالت ہو یا قیادت اسلام نے تمام امور کے
متعلق مشاورت کرنے کی تعلیمات دی ہیں

سجاد فیضی

اسلام ایک ایسا عالم گیر دین ہے جو ہمیں حیات کے تمام ادوار میں مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔عبادات ہوں یا معاملات، تجارت ہو معا شرت، معیشت ہو یا سیاست،عدالت ہو یا قیادت، طب ہو یا انجینئرنگ، اسلام نے ان تمام امور کے متعلق بنیادی اوراصولی تعلیمات فراہم کی ہیں۔ اسلام کی یہی عالمگیریت اور روشن تعلیمات ہیں کہ جن کے سبب دین اسلام دنیا میں اس تیزی سے پھیلا کہ دنیا کا دوسرا کوئی بھی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہے۔تعلیمات اسلامی نہ صرف آخرت میں چین وسکون کی راہیں ہموار کرتی ہے، بلکہ اس دنیوی زندگی میں بھی اطمینان ،سکون اور ترقی کے منہج سے بھی آگاہی فراہم کرتی ہیں، معاملات دنیا میں سے ایک معاملہ مشاورت ہے،جس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم میں ''شوریٰ'' نام کی ایک سورت ہے۔

اگر ہم اسلامی ریاست کے نظام زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں تو یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ اہل ایمان کے تمام امور باہمی مشورے سے چلتے ہیں۔ چنانچہ مشورے کے بارے میں قرآن کریم میں دوجگہ صریح اور نہایت واضح طور پر آیا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِی لْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى للّٰهِ

اور آپ ﷺ ان (صحابہ) سے کام میں مشورہ لیجئے۔ پھر جب آپ مشورے کے بعد کسی بات کا عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے۔

سورہ شوریٰ میں سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

اور ان کے (اجتماعی) امور باہمی مشورے سے انجام پاتے ہیں۔

یہاں دو لفظ غور طلب ہیں۔ایک امر۔عربی زبان میں لفظ امر کا استعمال حکم اور حکومت کے معنی میں بھی ہوتا ہے اورکسی مہتم بالشان قول وفعل کے لئے بھی۔ مذکورہ آیتوں میں دونوں معنوں کا احتمال ہے۔سو ان آیات میں امر کے معنی ہر اس کام کے ہیں جو خاص اہمیت رکھتا ہو، خواہ وہ حکومت سے متعلق ہو یا دوسرے معاملات سے دوسرا لفظ شوریٰ ہے جس کے معنی کسی غور طلب معاملے میں لوگوں کی رائے حاصل کرنا۔ اس کے بارے میں چند اقوال ملاحظہ فرمایئے۔ شوریٰ اس معاملے کو کہتے ہیں جس پر مشورہ کیا جائے۔ (اہل الرائے سے مشورہ کرنا)۔ ان کے معاملے ذاتی رائے سے طے نہیں پاتے بلکہ باہمی مشورے سے جس امر پر اتفاق ہوجائے اس پر عمل ہوتا ہے۔ وہ اپنے معاملات مشاورت سے چلانے میں اور فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتے۔

پس پہلی آیت کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ غور طلب معاملات میں جن میں

حکومت کے جملہ معاملات بھی شامل ہیں۔ صحابہ کرام سے مشورہ کرلیا کریں۔ اسی طرح دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ مومنوں کے تمام غور طلب معاملات، خواہ وہ حکومت سے متعلق ہوں یا دوسرے امور سے، باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ مشورے سے مستغنی تھے کیونکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی تھی۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کے حکم سے حقیقت میں امت کی تعلیم مقصود ہے تاکہ امت میں مشورے کا طریقہ جاری ہوا اور جب کوئی ایسا دینی یا دنیوی امر پیش آ جائے جس کے بارے میں کوئی حکم خداوندی واضح طور پر موجود نہ ہو تو اس کے بارے میں ایسے لوگوں سے مشورہ کیا جائے جو مشورہ دینے کے اہل ہوں اور جن کی رائے قابلِ وثوق ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نے مشورے کو میری امت کے لئے رحمت بنا دیا ہے، سو جو کوئی مشورہ کرے گا وہ ضرور ہدایت پائے گا اور جو کوئی مشورے کو چھوڑ دے گا وہ ضرور گمراہ ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اصحاب رسول سے زیادہ کسی کو مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔

مشورے کی شرعی حیثیت:

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور باہم مشورہ کرنے کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو صحیح اور مفید صورت کی طرف ہدایت مل جاتی ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا کانت امراء کم خیار کم و اغنیاء کم سمحاء کم امور کم شوری بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا واذاکانت امراء کم شرار کم و اغنیاء کم تجلاء کم و امور کم الی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا.

جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورے سے ہوتے ہوں تو تمہارے لئے زمین کے اوپر رہنا بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدترین افراد ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے اندر دفن ہوجانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہوگا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے۔ جب اس سے مشورہ طلب کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس بارے میں وہ رائے دے جو وہ اپنے لئے تجویز کرتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس کا حکم قرآن میں صراحاً نازل نہیں ہوا اور اس کے متعلق ہم نے آپ سے کچھ نہ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام کے لئے اپنے لوگوں میں سے عبادت گذار (فقہاء) کو جمع کرکے ان کے مشورے سے اس کا فیصلہ کرو۔ کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

مذکورہ احادیث سے یہ امور بالکل واضح ہیں:

صرف ان چیزوں میں مشورہ لینا مسنون ہے جن کے بارے میں قرآن و حدیث کا کوئی واضح اور قطعی حکم موجود نہ ہو۔

قطعی اور واضح احکامِ شریعہ کے بارے میں نہ مشورے کی ضرورت ہے اور نہ مشورہ لینا جائز ہے۔

مشورہ ان لوگوں سے لینا چاہئے جو تفقہ اور عبادت گزاری میں ممتاز ہوں۔

مشورہ دینے والے کا صاحب عقل و رائے ہونا ضروری ہے۔

آپ ﷺ کا صحابہ کرام سے مشورہ کرنا:

رسول اللہ ﷺ مہمات امور میں صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام بھی آپس میں مشورہ کرتے تھے۔ خلاف راشدہ کی تو بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی۔

غروہ بدر کے موقع پر ابتداء آپ ابوسفیان کے قافلے کو روکنے کی غرض سے مدینے سے نکلے تھے۔ پھر جب آپ نے وادی ذفران میں پڑاو ڈالا تو آپ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلے کی حفاظت کے لئے روانہ ہوگئے ہیں۔ اس وقت آپ نے مہاجرین و انصار کو مشورے کے لئے جمع فرمایا اور ان کو قریش کی خبر دی۔ یہ سنتے ہی پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر اظہار جان نثاری فرمایا۔ پھر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ) ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے لڑیں گے۔ پھر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ آپ صحابہ کرام کا جواب سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کے نام پر چلو۔

بدر ہی کے موقع پر آپ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر قدرت دی ہے، حضرت ابوبکر نے عرض کیا سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں اس لئے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ سب کی گردن اڑا دی جائے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو آگ میں جلانے کا مشورہ دیا۔ آپ نے حضرت ابوبکر کی رائے کو پسند فرمایا اور قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا حکم دیا۔

غزوہ احد کے موقع پر آپ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ مشرکین کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کیا جائے یا باہر نکل کر۔ پھر صحابہ کرام کے مشورے سے آپ نے مدینے سے باہر نکل کر مقابلے کا فیصلہ فرمایا۔

غزوہ خندق کے موقع پر بھی آپ نے مہاجرین و انصار کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا۔ مجلس مشورہ میں حضرت سلمان فارسی بھی تھے جو انہی دنوں ایک یہودی کی غلامی سے نجات حاصل کر کے اسلام کی خدمت کے لئے تیار ہوئے تھے، اُنہوں نے مشورہ دیا کہ فارس کے بادشاہ ایسی صورت میں خندق کھود کر دشمن کا راستہ روک دیتے تھے۔ آپ نے حضرت سلمان فارسی کا مشورہ پسند فرمایا۔

بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی تھے۔ اہل مکہ نے جب اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے فدیہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے وقت ان کو دیا تھا۔ آپ ﷺ اس کو دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔ پھر آپ نے صحابہ کرام کے مشورے سے وہ ہار بھی واپس فرما دیا اور ابوالعاص کو بھی قید سے رہا کردیا۔ اس کے چند سال بعد فتح مکہ سے پہلے ابوالعاص تجارت کی غرض سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اہل مکہ کا سرمایہ بھی کے ساتھ تھا۔ شام سے واپسی میں مسلمانوں کے ایک دستے نے ان کا تمام مال ضبط کرلیا۔ پھر آپ نے صحابہ کرام سے مشورے کے بعد ان کو تمام مال و تجارت واپس کردیا۔ اس کے نتیجے میں جلد ہی ابوالعاص مشرف باسلام ہوگئے۔

ان واقعات سے بجا طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ریاستی وحکومتی معاملات کے ساتھ ساتھ، سماجی و سیاسی معاملات میں بھی صحابہ کرام سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرام میں بھی اہم ریاست اور ایسے دینی امور میں جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی صریح حکم نہ تھا۔ مشاورت کا طریقہ ہمیشہ جاری رہا۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ مشاورت:

رسول اللہ ﷺ ازواجِ مطہرات کے ساتھ بیٹھتے اور ان کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ بعض اوقات کسی مسئلے پر ان کے ساتھ تبادلہ خیالات بھی کرتے۔ اگرچہ وحی کی تائید حاصل ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کو ان سے رائے لینے کی ضرورت نہ تھی، لیکن درحقیقت آپ ﷺ اس طرزِ عمل سے اپنی امت کو

عورت کی قدر و منزلت سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ اس سے پہلے عورت کو معاشرے میں یہ مقام حاصل نہ تھا۔ آپ ﷺ نے عملی طور پر اس کا آغاز اپنے گھر سے فرمایا۔

مسلمانوں پر صلح حدیبیہ بہت گراں گزری تھی۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کے ارادے سے آنے والوں کو اپنے قربانی کے جانور ذبح کر کے احرام سے نکلنے کا حکم دیا، لیکن صحابہ نے اس خیال سے اس حکم کی تعمیل میں تاخیر کی کہ شاید اس حکم میں کوئی تبدیلی ہوجائے۔ رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ حکم ارشاد فرمایا، لیکن صحابہ کرام کو ابھی بھی حکم کے تبدیل ہونے کی اُمید تھی۔ خدانخواستہ یہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننے سے انکار نہ تھا، بلکہ وہ کسی اور حکم کے منتظر اور اُمیدوار تھے، کیونکہ وہ مدینے سے طوافِ کعبہ کے ارادے سے نکلے تھے اور ان کے خیال میں صلح حدیبیہ کے عملی طور پر نافذ ہونے سے پہلے اس میں تبدیلی کا امکان موجود تھا۔

جب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کا یہ طرز عمل دیکھا تو آپ ﷺ نے اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا۔ حضرت ام سلمہ بہت صاحب فہم وفراست خاتون تھیں۔ اگرچہ وہ جانتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے مشورے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ اپنی بیوی سے مشورہ کر کے اپنی امت کو ایک معاشرتی اصول سمجھانا چاہتے ہیں، لیکن انہوں نے مشورے کا حق ادا کرنے کے لیے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اے اللہ کے نبی! اگر آپ پسند فرمائیں تو باہر نکلیے اور کسی سے کوئی بات کیے بغیر اپنے قربانی کے اونٹ کو ذبح فرما دیجیے اور اپنے حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوا دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں بھی یہی بات آرہی تھی، چنانچہ آپ ﷺ چھری لے کر باہر نکلے، اپنے قربانی کے اونٹ کو ذبح فرمایا اور اپنے سر کو منڈوا دیا۔ جب صحابہ کرام نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی اٹھے، قربانی کے جانور ذبح کیے اور ایک دوسرے کے سر مونڈنے لگے حتی کہ یوں لگتا تھا کہ وہ غم کی شدت میں ایک دوسرے کو قتل کردیں گے۔ اب انہیں پتا چل گیا تھا کہ یہ فیصلہ اٹل ہے، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

سوچنے کا مقام ہے کہ کتنے لوگ اپنی بیویوں سے اس انداز سے مشورہ کرتے ہیں؟ کتنے سربراہانِ خانہ خاندان کا نظام چلانے میں اپنی بیوی سے مشاورت کو روا رکھتے ہیں؟ ہم اس قسم کے سوالات معاشرے کے تمام اکائیوں کی سطح پر اٹھا سکتے ہیں۔ مغربی ذہنیت سے متاثر لوگ جو اس بات کا واویلا مچاتے ہیں کہ اسلام عورت کو قیدی بناتا ہے۔ وہ اپنے ضمیر سے دریافت کریں کہ حقوق نسواں کے کون سے علمبردار اسے اس قدر بلند مرتبہ عطا کرسکتے ہیں؟

بھلائی کے دوسرے کاموں کی طرح مشاورت کا عملی آغاز بھی رسول اللہ ﷺ کے گھر سے ہوا۔ آپ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات سے مشاورت فرمایا کرتے تھے۔ ہم ابھی تک اس مقام تک پہنچے ہیں اور نہ ہی ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس پر اسرار دروازے کے تالوں کو کیسے کھولیں بلکہ ہم نے تو ابھی تک اس دروازے پر دستک بھی نہیں دی۔ عورت کو ابھی تک ان لوگوں کے ہاں بھی دوسرے درجے کے انسان کی حیثیت حاصل ہے، جو اس کے حقوق کی حفاظت کے دعویدار ہیں، لیکن ہم عورت کو ایک اکائی کے نصف کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ عورت ایسا نصف ہے، جس کے بغیر دوسرا نصف بے کار ہے۔ ان دونوں نصفوں کے ملاپ سے انسانی اکائی تشکیل پاتی ہے۔ اس اکائی کی غیر موجودگی میں کسی بھی چیز کے بارے میں گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ اس کے بغیر انسانیت، نبوت، ولایت، اسلام اور امت کے مفاہیم بے معنی ہوکر رہ جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ عورتوں سے نرمی سے پیش آتے تھے اور اپنی احادیث کے ذریعے دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ ﷺ ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں: کامل ترین مومن عمدہ ترین اخلاق والا مومن ہے اور تم میں سے اپنی بیویوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والے سب سے بہتر اخلاق والے انسان ہیں۔ اور میں اپنے اہل خانہ سے سب سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں۔

☆☆☆☆☆

محنت کی عظمت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے

اسلام وہ واحد دین فطرت ہے جس نے آجر و اجیر کے درمیان حقوق و فرائض متعین کئے

سمیہ اسلام

اسلام وہ واحد دین ہے جس نے زندگی کے ہر شعبے میں راہ نما اصول وضع کیے جو تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر قابل عمل ہیں۔ کھانے پینے کے آداب سے لے کر ایک حسین اور متوازن معاشرے کی تشکیل تک ہمیں ہر شعبے میں زریں اصول نظر آتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم ایک حسین معاشرے کی بنیاد رکھ سکتے ہیں۔ لیکن دنیا میں دیگر مظلوم طبقات کے ساتھ مزدور بھی ہیں، جنہیں ہر دور میں تیسرے درجے کا شہری سمجھا گیا اور ان کے حقوق کی بدترین پامالی کی گئی۔ ایسے ہی استحصالی گروہ کو جناب رسالت مآب ﷺ نے خبردار فرمایا کہ قیامت کے دن جن تین آدمیوں کے خلاف میں مدعی ہوں گا ان میں ایک وہ شخص ہوگا جو کسی کو مزدور رکھے اور اس سے پورا پورا کام لے مگر مزدوری پوری نہ دے (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے محنت کی عظمت اور مزدوروں کے حقوق بیان فرمائے اور اس کے آخری رسول ﷺ ان احکامات خداوندی پر مکمل عمل پیرا ہوئے اور محنت کشوں کے حقوق خود ادا فرمائے اور پوری امت کو ان پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے محنت کشوں کو اللہ کے دوست کا اعزاز عنایت فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مزدور کو مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو (ابن ماجہ)۔ ایک اور موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ نے تمہارے ماتحت بنادیا ہے ان کو وہی کھلاو جو خود کھاؤ وہی پہناؤ جو خود پہنو ان سے ایسا کام نہ لو کہ جس سے وہ بالکل نڈھال ہو جائیں، اگر ان سے زیادہ کام لو تو ان کی اعانت کرو (بخاری و مسلم)

ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کون سی کمائی سب سے زیادہ پاکیزہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا اپنی محنت کی کمائی۔ بعض صحابہ کرامؓ رزق حلال کے لیے ہر قسم کی محنت و مشقت کرتے تھے۔ مختلف پیشوں سے اپنی روزی کماتے تھے۔ حضرت خباب بن ارتؓ لوہار تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چرواہے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تیر ساز تھے، حضرت زبیر بن عوامؓ درزی تھے، حضرت بلال بن رباحؓ گھریلو ملازم تھے اور حضرت ابوبکرؓ کپڑا بیچتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی اکثریت محنت کش اور مزدوروں پر مشتمل تھی۔ ازواج مطہراتؓ گھروں میں اُون کاتتی اور کھالوں کی دباغت کرتی تھیں۔ حضرت زینبؓ کھالوں کی دباغت کرتی تھیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ جانوروں کی خدمت اور جنگل سے لکڑیاں چن کر لانے کا کام کرتی تھیں۔ کچھ صحابیاتؓ کھانا پکا کر فروخت کرنے کا م کرتی تھیں۔ کچھ دایہ کا کام کرتی تھیں، کچھ زراعت کرتی تھیں اور کچھ تجارت کرتی تھیں، کچھ خوش بو فروخت کرتی تھیں، کچھ کپڑا بنتی تھیں اور کچھ بڑھئی کا کام کرتی تھیں (بخاری)

ہر سال یکم مئی دنیا بھر میں لیبر ڈے (مزدوروں کا دن) کے طور پر منایا جاتا ہے۔ لوگوں کو اس روز مزدوروں کے حقوق کے بارے میں آگاہی دی جاتی ہے۔ محض رسمی طور پر مزدوروں کے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹ کر اگلے روز سے ہی مزدوروں کا استحصال شروع کر دیا جاتا ہے۔ حیرت واستعجاب ہے کہ

مزدوروں کے حقوق کے علمبردار لوگ و ادارے خود اپنے ماتحتوں، ملازموں، مزدوروں اور کارکنوں کا استحصال کرتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ آجر (مالک) مزدوروں سے شاکی اور نالاں ہوتا ہے۔ وہ مزدوروں وملازموں کی خیانت، بدعہدی، کام چوری اور غیر ذمہ داری کا رونا روتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف مزدور اپنے مالک کے ظلم وستم، استحصال، حق تلفی اور نامناسب رویوں کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے۔ اس پاکیزہ اور کامل دین نے دیگر طبقات کی طرح آجر واجیر اور ادائیگی حقوق وفرائض کا نہ صرف تعین کیا، بلکہ فریقین کو حقوق و فرائض کے حصول کی جانب متوجہ بھی فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اگر فریقین اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کی فکر میں ہوں اور ادائیگی وفرائض کے باوجود اپنی کوتاہی کا احساس دل میں رکھتے ہوں تو وہ دوسرے فریق کو اپنا محسن اور اپنے آپ کو کوتاہ متصور کریں گے۔ آجر کے ذہن میں ہو گا کہ میں مزدور کے حقوق حقیقی معنوں میں ادا نہیں کر پا رہا، میرے رزق اور معیشت کا ذریعہ وسبب یہ مزدور اور ملازم ہیں، ان ہی کی بدولت میرا کاروبار اور کام رواں دواں ہے، حقیقت میں یہ اُن کی کمائی ہے جو میں اور میرا خاندان استعمال کر رہے ہیں۔ میں جو کچھ انہیں معاوضہ دے رہا ہوں، ان کا حق اس سے بڑھ کر ہے۔ مجھے ان کے ساتھ حسنِ سلوک، مروت اور تواضع وعاجزی سے پیش آنا ہے، ان کے دکھ درد کو سمجھنا چاہیے، ان کی خوشی وغمی میں شریک ہونا ہے، ان کی مشکل کو حل کرنا ہے۔ یہ احساس ایسے آجر کو اجیروں اور مزدوروں میں یوں محبوب بنا دے گا کہ مزدور ایسے آجر پر اپنی جان تک نچھاور کر دیں گے اور وہ اس کے مال کے محافظ اور عزت کے رکھوالے ہوں گے۔

برصغیر میں اقبالؒ سے پہلے کسی فکری شاعر نے مزدور اور مظلوم طبقات کے بارے میں ایک مربوط، متعین اور منظّم فکر کے طور پر بہت کم لکھا ہے۔ کسی کے ہاں ایک شعر، کسی کے ہاں دو یا زیادہ سے زیادہ دو چار نظمیں نظر آ سکتی ہیں۔ اقبالؒ وہ واحد عظیم المرتبت فکری شاعر ہے جس نے مزدور کے پسینے کو اپنے اشعار میں جذب کر کے اسے مشکِ نافہ بنا دیا۔ ان کی دردمندی میں محنت کی مہک اور مزدور کے لہو کی باس موجود ہے۔ خاص طور سے ایک ایسے وقت میں جب دنیا مسائل سے دوچار ہے اور آنکھوں سے نظر نہ آنے والے ننھے سے کورونا وائرس نے دنیا کو معاشی تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے، صنعتوں کی بندش سے بے روزگاری میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ دنیا بھر میں 60 کروڑ کے قریب بے روزگار ہوں گے۔ کوئی اس سے بھی زیادہ افراد کے روزگار چھینے جانے کی دردناک باتوں سے دل دہلا دیتا ہے۔ لیکن علامہ صاحب کو علم تھا کہ کسی بھی مصیبت میں مشینوں کے سرمایہ دار محنت کشوں کو کچل دیں گے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج یہ کچھ ہو رہا ہے۔ کھربوں ڈالر کی امداد کے قصے دنیا بھر میں عام ہیں لیکن غریب کو کہیں بھی کچھ نہیں مل رہا۔ ترقی یافتہ ممالک میں بھی غریب خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ علامہ صاحب جانتے تھے کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کا بنایا گیا نظام غریب کا کبھی ساتھ نہیں دے گا اور یہ ہم نے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک دیکھ لیا ہے۔

اقبالؒ ایک پسماندہ، نوآبادیاتی معاشرے میں پیدا ہوئے لیکن انہوں نے عالمی استعمار کے خلاف جس انقلابی وژن سے کام لیا اور جس تخلیقی انداز سے نوآبادیاتی نظام کے خلاف آواز بلند کی، افروایشیائی اقوام کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ اقبالؒ نے مغرب سے مرعوب ہونے کی بجائے اس کے کھوکھلے پن کا سراغ لگایا۔ شاخِ نازک پر آشیانہ بنانے والوں کے سامنے اس کی ناپائیداری کا کھلم کھلا اعلان کر دیا حالانکہ اس وقت سلطنتِ برطانیہ پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اگر ہم ارتقائی لحاظ سے اقبالؒ کے ہاں غم مزدور یا مظلوم لوگوں کی حالتِ زار کا نقشہ دیکھنا چاہیں تو سب سے پہلے 1910ء میں نالہء یتیم سے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اس نظم میں پوشیدہ کرب 1910ء ہی میں علم الاقتصاد کی صورت میں ایک ٹھوس نثری احتجاج بن جاتا ہے۔ اس میں اقبالؒ اس درد اور احساسِ زیاں کی عکاسی کرتے ہیں جو اس وقت کے مزدوروں اور کسانوں بلکہ پورے ہندوستان پر مسلط تھا۔

آگے چلیے تو ایک عہد آفریں رسالے مخزن میں ان کا ایک بصیرت افروز مضمون ملتا ہے۔ اس میں کشتگانِ جبر اور اسیرانِ استحصال کی زبوں حالی پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں (یہ قوم) اب وقت کے تقاضوں سے غافل اور افلاس کی تیز تلوار سے مجروح ہو کر ایک بے معنی توکل کا عصا ٹیکے

کھڑی ہے۔میں صنعت و حرفت کو قوم کی سب سے بڑی دولت خیال کرتا ہوں۔میری نگاہ میں اس بڑھئی کے کھردرے ہاتھ ان نرم و نازک ہاتھوں کی نسبت بدرجہا بہتر، خوبصورت اور مفید ہیں جنہوں نے قلم کے سوا کسی چیز کا بوجھ محسوس نہیں کیا۔

بندہ مزدور کے اوقات کی تلخی کم کرنے کے لئے اقبالؒ نے نہ صرف شعروادب کو استعمال کیا بلکہ عملی جدّ وجہد بھی کی۔ اس سلسلے میں قائداعظمؒ کو خطوط بھی لکھے اور مسئلے کے حل کے لئے اُبھارا۔وہ جس پاکستان کا مطالبہ کر رہے تھے اس میں مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق کے زبردست حامی تھے۔ حضرت قائداعظمؒ بھی اپنی کئی تقاریر میں پسینہ خشک ہونے سے پہلے محنت کا صلہ دینے کے حامی تھے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو پاکستان میں کسی کو بھی محنت کشوں کے حقوق غصب کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ جب اقبالؒ پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تو کسانوں پر لگائے جانے والے ناروا لگان کی سخت مخالفت کی اور دیہاتی عورتوں کے لئے طبّی سہولتوں کا مطالبہ کیا۔

اسی زمانے میں ایک اور معرکتہ الآراء نظم شمع و شاعر میں بھی استعاراتی انداز میں مظلوموں اورمجبوروں کی کم نصیبی کا ذکر ملتا ہے۔

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تُو

یہاں دہقان سے مراد زوال پذیر مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور عام دہقان مزدور بھی۔

یہاں یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ فکرِ اقبال میں مزدور سے مراد صرف اینٹیں اور گارا ڈھونے والے محنت کش ہی نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔اس میں وہ تمام محنت کش طبقات شامل ہیں جو اجرت کی بنیاد پر کام کرتے ہیں اور آجر اور اجیر کے متعین مفہوم میں شامل ہیں۔ ایک اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ اقبالؒ کا بندہ مزدور، اس کے باقی نظامِ فکر کا ایک حصہ ہے۔وہ جہاں بندہ مزدور ہے وہاں وہ بندہ مومن کا پرتو بھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ نانِ جویں پر گزارا کرتا ہے۔1910ء میں اقبالؒ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اصحابِ فکرونظر اورطلباء کے سامنے ایک خطبہ پیش کیا۔عنوان تھا ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر۔ اس میں وہ وطن کی غربت اور افلاس پر لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

سب سے اہم عقیدہ اس مسلمان کے سامنے جو قومی کام کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کرتا ہے، یہ ہے کہ وہ کیونکر اپنی قوم کی اقتصادی حالت کو سدھارے۔اس کا فرض ہے کہ ہندوستان کی تمام اقتصادی حالت پر نظرِ غائر ڈال کران اسباب کا پتا لگائے جنہوں نے ملک کی یہ حالت کر دی ہے۔

کلامِ اقبال میں بندہ مزدور کے حوالے سے ایک واضح جھلک نظم خضرِ راہ میں بھی ملتی ہے۔اس نظم میں اقبالؒ کی فکری تمازت شعلہ آفریں ہو جاتی ہے اور یہ موضوع جامعیت اور آفاقیت حاصل کر لیتا ہے۔پیام مشرق ہی کی ایک اوراہم نظم نوائے مزدور ہے جسے خلیفہ عبدالحکیم نے محنت کشوں کا پیغامِ انتقام کہا ہے۔فکرِ اقبال میں بندہ مزدور کا مقام اس قدر بلند ہے کہ اقبال کا کلام مزدورتحریک کا منشور کہا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں مزدوروں کے حالات اطمینان بخش نہیں ہیں۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک ہر حکمران نے غریبوں اور مزدوروں کو مراعات دینے، سہولیات فراہم کرنے اور دن بدلنے کے لیے وعدے کیے مگر بدقسمتی سے وہ وعدے وفا نہ ہوسکے۔ ہمارے ملک میں مزدور وں کے حوالے سے جو کچھ آئین اور قانون میں موجود ہے اس پر عمل درآمد ہو جائے تو مزدور کے حالات بہتر کرنے کے لیے وہی کچھ کافی ہے، کسی نئے قانون یا پیکج کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس آئین و قانون پر عملی طور پر عملدرآمد نہ ہونے کی وجہ سے آج ہمارا مزدور طبقہ بد حالی کا شکار ہے اور کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

ہمارے معاشرے میں محنت سے جڑے پیشے قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ ہم نے محنت کشوں کا اس قدر استحصال کیا ہے اور کرتے ہی چلے جارہے ہیں کہ محنت کش اور جانور کے درمیاں خط ناتواں باقی ہے۔جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ ملکی ترقی ان محنت کشوں کے بغیر کسی صورت بھی ممکن نہیں۔اگر ہم اپنے وطن کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں لا محالہ اپنے مزدور طبقے پر توجہ دینا ہوگی، ان کے حقوق کی فراہمی کو یقینی بنانا ہوگا تا کہ وہ دلجمعی کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے کر ملک کی ترقی کا باعث بن سکیں۔ ☆☆☆☆☆

عالمی یومِ ثقافت

قوموں کی تاریخ اس کے تہذیب و تمدن کی عکاس ہوتی ہے

ثقافت سے ناطہ توڑ لینے والی اقوام کا وجود تاریخ کے صفحات سے معدوم ہو جاتا ہے

پروفیسر حلیمہ سعدیہ

فنون لطیفہ، علم و ادب، تمدن اور کسی قوم کے تصور حیات کو ثقافت کہا جاتا ہے اور ہر قوم یا علاقہ اپنی ثقافت رکھتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اپنے تاریخی ورثہ کی اہمیت سے انکاری نہیں ہوتا کیونکہ کسی بھی قوم کی تاریخ اس کی طرزِ معاشرت، طرزِ تعمیر، تہذیب و تمدن اور بودوباش کی عکاس ہوتی ہے اور اپنی تہذیب و تمدن کی اہمیت سے انحراف اس معاشرہ کی شناخت کو ختم کر دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ثقافت یعنی معاشرتی رہن سہن اقوام کی پہچان بنتا رہا۔ شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال نے ایسے رویوں پر کڑی تنقید کی جہاں قوم اپنے تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر اغیار کی ثقافت کو اپناتی نظر آئی۔ بقول اقبال

تمہاری تہذیب خود آپ اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

گویا اپنی تہذیب و ثقافت کے مثبت پہلوؤں سے جڑے رہنا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شجر اپنی جڑوں سے منسلک ہو تو مضبوط ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پر یہ امر قابلِ غور ہے کہ زمانے کے بدلتے تقاضوں پر پورا اترنے کے لیے ضروری ہے کہ افرادِ معاشرہ تاریخی ورثہ میں موجود ثقافتی رنگوں میں سے صرف اُن رنگوں کو دورِ جدید میں زندہ رکھنے کی کوشش کریں جو افرادِ معاشرہ کی ترقی کے باعث ہیں اور ثقافت کے وہ منفی پہلو جن کی اصلاح ہونی چاہیے یا جو افرادِ معاشرہ کے لیے نقصان کا باعث بنتے رہے ہیں ان کو وقت کے ساتھ بدل دیا جائے یا سرے سے اُن سے نجات ہی حاصل کر لی جائے۔ بقول شاعر

اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو

قومی ترقی کے ضمن میں دیکھا جائے تو یہ بات تو طے ہے کہ ثقافت کی صرف ان چیزوں کو فروغ دینا ٹھیک ہے جو تمام معاشرے کے لیے فائدہ کا باعث ہوں اور وہ منفی رسم و رواج جو کہیں ہمارے معاشرے میں بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی راہ میں رکاوٹ بنتے نظر آتے ہیں اور کہیں ونی، قرآن سے شادی کے نام پر خواتین کے معاشی و معاشرتی حقوق سلب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یکسر ختم کر دینے چاہئیں۔

علاقائی ثقافت جہاں اپنے اندر موسموں اور علاقائی تہواروں کی خوبصورتی رکھتی ہے وہیں پر بعض اوقات مخصوص علاقوں میں موجود اس ذہنیت کو بھی ظاہر کرتی ہے جو ہمارے دین سے دوری کا باعث ہے۔ نسلِ نو کو محض یہ کہہ کر علم کی روشنی سے محروم رکھنا کہ ہماری ثقافت گھروں سے باہر نکل کر علم کے حصول کی اجازت نہیں دیتی یا کسی بیمار کو یہ کہہ کر علاج سے محروم رکھنا کہ ہمارا طور طریقہ جدید سطور پر زندہ رہنا نہیں سکھاتا یا زندہ رہنے کے ان معیارات کو نہ اپنانا جو جدید سائنسی ترقی کی دین ہیں۔ کسی صورت ٹھیک نہیں۔

یہی وہ رویے ہیں جن کی بنا پر چند بیماریاں جو

کلچر ایک بڑی اصطلاح ہے اس میں سماجی رویے اور اصول آتے ہیں جو انسانی معاشروں میں موجود ہوں۔ کلچر میں انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کا سلیقہ شامل ہے اور اس میں وہ تمام اصول بھی شامل ہیں جو معاشرہ کے افراد ایک ساتھ زندہ رہنے اور زندگی بسر کرنے کے لیے خود وضع کرتے ہیں

عالمی سطح پر ختم ہوچکی ہیں لیکن پاکستان میں ان کا وجود اب بھی باقی ہے اگر کوئی قاری اس کی مثال دیکھنا چاہتا ہے تو ''پولیو'' جیسا موزی مرض ایک واضح مثال ہے۔ چنانچہ اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ''ثقافت کا فروغ'' ممکن بناتے وقت یہ ضروری ہے کہ دیکھ لیا جائے کہ صرف اور صرف مثبت ثقافتی رویوں کا فروغ یقینی بنایا جائے گا۔

مثال کے طور پر مسلم ثقافت کے فروغ کی کاوشوں سے ہم اپنے معاشروں میں موجود محکوم طبقوں کو بھی بہتری کی جانب لاسکتے ہیں۔ گزشتہ چند سالوں سے جس منفی انداز میں خواتین کے حقوق کی بات کی جاتی ہے خواتین کے عالمی دن پر اس ساری منفی صورتحال کو بدلنے کا بہترین ذریعہ مسلم ثقافت کا فروغ ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مسلم ثقافت کے فروغ سے جہاں معاشرے میں موجود ہر طبقے کو اس کا حق ملنا شروع ہوجائے گا۔ وہیں ہمارے موجودہ معاشرہ میں موجود اس کوتاہی کا ازالہ بھی ہوگا جس کے تحت دکھاوا اور کھوکھلی روایات کو فروغ ملتا ہے۔ ایک جانب تو ثقافتی میلوں کے نام پر بڑے بڑے ہوٹلوں میں میلے سجائے جاتے ہیں اور دوسری جانب کتنے ہی گھر ایسے ہیں جن میں موجود بھوکے پیاسے بچوں کو غربت سے مجبور مائیں کھانا پکنے کا جھوٹ بول کر سلا دیتی ہیں۔

یہ وہ کھوکھلی ثقافت ہے جو مسلمان بیٹیوں کے پردے کو ختم کرتی نظر آتی ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

بطور مسلم امت گویا ثقافت کے اندر صرف اور صرف وہ اصول زندہ رکھنے ہوں گے جو ہمیں دینِ اسلام سے جوڑے رکھیں۔ کوئی بھی ایسی رسم یا رواج جو احکاماتِ الٰہی کے منافی ہے اس کو تسلیم کرنے یا جاری رکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ثقافتی ورثہ کے نام پر صرف اُن چیزوں کو اہمیت دی جائے جو ہماری اسلامی اقدار اور تعلیمات سے ہم آہنگ ہوں۔

جیسا کہ سر سید احمد خان نے تہذیب الاخلاق میں تہذیب کے حوالے سے لکھا ''اس سے مراد انسان کے تمام افعالِ ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت، تمدن اور صرفِ اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کو اعلیٰ درجے کی عمدگی پر پہنچانا اور ان کو خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی حاصل ہوتی اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے۔''

کلچر ایک بڑی اصطلاح ہے اس میں سماجی رویے اور اصول آتے ہیں جو انسانی معاشروں میں موجود ہوں۔ کلچر میں انسانوں کے ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کا سلیقہ شامل ہے اور اس میں وہ تمام اصول بھی شامل ہیں جو معاشرہ کے افراد ایک ساتھ زندہ رہنے اور زندگی بسر کرنے کے لیے خود وضع کرتے ہیں۔

یاد رہے، معاشرے میں جس طرح کے علوم کی تعلیم ہوگی اسی انداز کی ثقافت تشکیل پائے گی۔ اگر مجموعی سطح پر ''خیر'' پر مبنی علوم ہوں گے تو ثقافتی رنگ بھی حضرت انسان کی بھلائی پر مشتمل ہوں گے۔ لیکن اگر علوم کی بنیاد ''شر'' پر ہے تو پھر نتیجہ کے طور پر انتہائی منفی ثقافتی نمونے جنم لیں گے۔ اسی سلسلے میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

''میتھیو آرنلڈ کہتا ہے کہ کلچر کی مثال ایسی ہے جیسے شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہو، اس میں شہد بھی ہوتا ہے اور موم

بھی۔ شہد میں شیرینی بھی ہے اور غذا بھی، دوا اور شفا بھی۔ چھتے میں جو موم ہوتا ہے اس سے شمع بنتی ہے،انسان کو نورِعلم اور شیرینی کردار دونوں کی ضرورت ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ثقافت کسی بھی علاقے یا معاشرے کی ہو اس کے فروغ کے اقدامات کرتے ہوئے صرف انہی ثقافتی زاویوں کو فروغ دینا چاہیے جو انسانیت کی بھلائی کا پہلو رکھتے ہیں۔ اگر علاقائی کھیلوں اور تہواروں کی بات کی جائے تو یہ بھی افرادِ معاشرہ کے پرسکون رہنے کے ضامن ہوتے ہیں اور امن کی علامت بنتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا فروغ معاشی وسائل میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اور خوشحالی لے کر آتا ہے۔ حضرت اقبال کے الفاظ میں اس گفتگو کو سمیٹتے ہیں:

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں
یہ گنبدِ افلاک یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ یہ صحرا یہ سمندر یہ ہوائیں
تھیں پیشِ نظر کل تک تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ
خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
تو پیرِ صنم خانۂ اسرار ازل سے
محنت کش و خوں ریز و کم آزار ازل سے

ان اشعار میں اقبال نے جس خوبصورتی سے ماضی کے تجربات سے فیض اٹھاتے ہوئے اپنی محنت شاقہ کے بل پر اپنے حال کو خوبصورت و خوشحال بنانے کی ترغیب دی ہے یہی انداز ثقافت کے فروغ کی اک کڑی ہے۔ بے شک انسان اشرف المخلوقات ہے اور اگر دین محمدی ﷺ کا فیضان اس اشرف المخلوقات انسان کو حاصل ہوجائے تو وہ مقام آجاتا ہے۔ جہاں تہذیب و ثقافت کے ضمن میں بھی تازہ جہان اپنے ہنر سے آباد کیے جاتے ہیں۔ بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ

سارا وقت اینٹ پتھر سے بنی دیواروں میں بیٹھے رہنے سے جب ہمارا تعلق سرسبز و شاداب باغات، قدرتی نظاروں پرندوں کی چہکار اور تازہ ہوا سے ٹوٹ جاتا ہے تو پھر افراد معاشرہ مختلف ذہنی و جسمانی بیماریوں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ماضی کے جھرونکوں میں ذرا جھانکیں تو شدت سے احساس ہوتا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کا رہن سہن اور تہذیب و ثقافت، صحت مند اصولوں پر مشتمل تھی

فروغ ثقافت کے اگر مثبت سطور پر اقدامات کیے جائیں تو یہ شعبہ زندگی معاشرہ میں رہنے والے افراد کو معاشی وسائل عطا کرتا ہے۔ مثلاً سیاحت سے منسلک ثقافت کا فروغ قومی معیشت میں نہایت مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ اسی طرح علاقائی دستکاری اور مخصوصی علاقائی لباس جہاں علاقائی ثقافت کی پہچان ہوتے ہیں وہیں تجارتی سطح پر ان کی تشہیر اچھے خاصے معاشی فائدوں کے حصول کا باعث بن جاتی ہے۔

شیخ الاسلام محترم جناب طاہرالقادری صاحب اپنی تصنیف اقتصادیات اسلام (تشکیل جدید) میں قرآن مجید کی سورۃ مبارکہ الزخرف آیت ۳۲:۴۳ کی روشنی میں فرماتے ہیں:

’’دنیوی زندگی کا دارو مدار اسباب معیشت پر ہے یہ وسائل افراد و اقوام میں تقسیم کرنے والی اللہ تعالی کی ذات ہے ہر کسی کو اسی کی حکمت وحکم کے مطابق رزق ملتا ہے۔ یہ وسائل اللہ تعالیٰ نے افراد و اقوام میں یکساں تقسیم نہیں کیے بلکہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ عطا کیا ہے۔ اس عدم مساوات میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ سب ایک دوسرے سے خدمت لیں ایک دوسرے کے محتاج بھی ہوں اور معاون بھی۔‘‘ (اقتصادیات اسلام، تشکیل جدید، ص۶۸)

افراد معاشرہ کا مل جل کر باہمی تعاون سے زندگی

گزارنے کا یہ تصور ہی اس تہذیب و ثقافت کی بنیاد بنتا ہے جس کے فروغ کی بات کی جاتی ہے۔ جہاں تک پاکستانی ثقافت کا تعلق ہے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہماری قومی و علاقائی ثقافت قدیم ہے اور یہ صدیوں پرانی ثقافت کبھی سندھی کلچر کے خوبصورت رنگ لیے نظر آتی ہے تو کہیں فلک بوس چوٹیوں کے سرد علاقوں کی بودوباش جھلکتی ہے۔ کہیں بیساکھی کے تہواروں کی صورت میں سونا اگلتے کھیت کھلیانوں کو پیش کرتی ہے تو دوسری جانب برف پوش پہاڑوں کے دامن میں ہونے والے ''پولو'' کے مقابلہ جات دلکشی میں اضافہ کرتے ہیں یہ کھیل پاکستان کے شمالی علاقہ جات سکردو، لداخ، کارگل میں خاص مانا جاتا ہے اور اتنے سال گزرنے پر وہاں کا ثقافتی رنگ بن چکا ہے۔ چترال کا روایتی کھیل پولو جشن شندور میں جگمگ کرتا نظر آتا ہے اور وقت کے ساتھ وہاں کی ثقافت کا جزو بن چکا ہے۔

بطور مسلم امت گویا ثقافت کے اندر صرف اور صرف وہ اصول زندہ رکھنے ہوں گے جو ہمیں دینِ اسلام سے جوڑے رکھیں۔ کوئی بھی ایسی رسم یا رواج جو احکاماتِ الٰہی کے منافی ہے اس کو تسلیم کرنے یا جاری رکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں

زمانہ قدیم سے ہی کھیل ہماری ثقافت کا بڑا حصہ رہے ہیں۔ لیکن تکلیف دہ امر یہ ہے کہ پاکستان کے روایتی کھیل جو ہماری علاقائی ثقافت کا خوبصورت جزو ہیں، اب نایاب ہونے لگے ہیں۔ گویا ہماری یہ ثقافتی روایات دور جدید کی چکا چوند میں گم ہورہی ہیں۔ مثلاً ہمارے پنجاب کے کھیت کھلیانوں سے منسلک دیہات کی ثقافت کا ایک رخ گلی ڈنڈا کا وہ کھیل بھی تھا جو ہر خاص و عام کھیلا کرتا تھا اور باعث تفریح ہوا کرتا تھا، چھوٹے بڑے اس کھیل کو خاصی توجہ سے کھیلتے تھے مگر ہماری علاقائی ثقافت کا یہ رنگ اب نایاب ہوتا جارہا ہے۔ علاقائی ثقافت سے جڑے یہ کھیل (گلی ڈنڈا، آنکھ مچولی، پٹھو گرم، کشتی، کبڈی، نیزا بازی، جھولے جھولنا، کشتی رانی، پتنگ بازی، بھنگڑے اور جھومر وغیرہ) ایسے تفریح موقع ہوا کرتے تھے جن کے لیے روپیہ پیسہ درکار نہ ہوتا تھا۔ لیکن دورجدید میں ہزاروں اور لاکھوں روپے سے خریدے جانے والے فون اور کمپیوٹر ان کی جگہ لے گئے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ دھرتی ماں کی مٹی سے جڑے ان ثقافتی رنگوں سے دور ہوکر اور مذہبی اور علاقائی تہواروں سے ہٹ کر جب ہم برقی آلات اور مصنوعی خوشیوں میں گم ہوجاتے ہیں تو نہ ہماری آنکھیں ٹھیک رہتی ہیں اور نہ ہی جیب میں پیسہ ٹکتا ہے۔

سارا وقت اینٹ پتھر سے بنی دیواروں میں بیٹھے رہنے سے جب ہمارا تعلق سرسبز و شاداب باغات، قدرتی نظاروں پرندوں کی چہکار اور تازہ ہوا سے ٹوٹ جاتا ہے تو پھر افراد معاشرہ مختلف ذہنی و جسمانی بیماریوں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ماضی کے جھرونکوں میں ذرا جھانکیں تو شدت سے احساس ہوتا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کا رہن سہن اور تہذیب و ثقافت، صحت مند اصولوں پر مشتمل تھی۔ صبح و شام چہل قدمی کرنا مساجد میں نماز پڑھنے کی باقاعدگی، بزرگوں کے پاس شام کو بیٹھنا اور دن بھر کے واقعات سنا کر راہنمائی وصول کرنا، ہمسایوں کو اہمیت دیتے ہوئے ان کے دکھ سکھ میں ساتھ دینا، یہ سب گویا ہماری ثقافت کا حصہ اور پُرسکون زندگی کا راز تھا۔ لیکن

لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجئے

کے مصداق ہمیں دور حاضر میں ایسی بہت سی ثقافتی خوشیاں مفقود نظر آتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ثقافت سے جڑی وہ تمام روایات پھر سے تازہ کی جائیں جو خوشگوار معاشرتی زندگی میں معاون ہیں اور زندہ دل معاشروں کی پہچان ہوا کرتی ہیں۔ کیونکہ

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیسا کرتے ہیں

☆☆☆☆☆

فقہی مسائل

نمازِ عیدین کا طریقہ

پردہ کے لحاظ کے پیشِ نظر نماز جیسی افضل عبادت میں بھی مخصوص مواقع پر عورت کا طریقہ نماز مرد سے مختلف رکھا گیا ہے

خصوصی رپورٹ

سوال: نمازِ عیدین کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازیں ہر اس شخص پر واجب ہیں جس پر جمعہ فرض ہے۔ عیدین دوگانہ یعنی دو رکعتوں والی نماز ہے۔ نمازِ عیدین کا طریقہ وہی ہے جو دیگر نمازوں کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ نماز عیدین میں کچھ زائد تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ امام تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا پڑھے پھر ہاتھ اُٹھا کر تین تکبیریں کہے، تیسری تکبیر کے بعد ناف کے نیچے ہاتھ باندھ لیں پھر امام تعوذ تسمیہ کے بعد جہراً قرات کرے۔ قرات کے بعد حسبِ معمول رکوع و سجود کیے جائیں، پھر دوسری رکعت شروع ہوگی۔ امام قرات کرے، قرات کے بعد امام تین مرتبہ ہاتھ اُٹھا کر تکبیریں کہے گا مقتدی بھی اس کے ساتھ ایسا ہی کریں اور چوتھی مرتبہ امام ہاتھ اُٹھائے بغیر تکبیر رکوع کہے گا تو مقتدی بھی ایسا کریں، اسی طرح دو رکعت نماز مکمل کی جائے گی۔ نماز عیدین کا وقت آفتاب کے بلند ہوجانے کے بعد زوال سے پہلے پہلے ہے۔

سوال: مرد اور عورت کی نماز میں فرق کیوں ہے؟

جواب: مرد اور عورت کی جسمانی ساخت میں جو فرق پایا جاتا ہے، شریعت کی رُو سے شرعی اَحکام و مسائل میں بھی ان کا پاس و لحاظ رکھا گیا ہے۔ طہارت کے مسائل ہوں یا حج کے، روزہ کے مسائل ہوں یا زکوٰۃ کے، عورت کے عورت ہونے کا کسی نہ کسی حکم سے اِظہار ہو جاتا ہے جس طرح نمازِ جمعہ وعیدین مردوں پر فرض ہے عورتوں پر نہیں۔

اسی طرح نماز جیسی افضل عبادت میں بھی بعض مخصوص مواقع پر عورت کا طریقہ نماز مرد سے مختلف رکھا گیا تاکہ عورت کے پردہ کا لحاظ رکھا جائے۔ اس کے اعضائے نسوانی کا اعلان و اظہار نہ ہو مثلاً عورت نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کندھے تک اٹھاتی ہے جبکہ مرد کانوں کی لو تک، مردوں کو سجدہ میں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے جدا رکھنے کا حکم ہے۔ جبکہ عورت کو سمٹ کر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ وہ سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے چپکائے اس پر ہم تفصیلی دلائل کے ساتھ بحث گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ مرد اور عورت کی نماز میں یہ بنیادی فرق (پردہ) کے اعتبار سے ہے۔

سوال: نماز کے بعد کون سے اذکار کرنے چاہئیں؟

جواب: حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز کے بعد مختلف مواقع پر مختلف اذکار کو اپنا معمول بنایا۔ درج ذیل اذکار میں سے حسبِ موقع جس کا جو دل چاہے پڑھ سکتا ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

کہ حضور نبی اکرم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمہ پڑھتے تھے:

لَا إِلٰـهَ اِلاَّ اللهُ وَحْـدَه لَا شَـرِيْکَ لَـه .لَـهُ الْـمُـلْـکُ وَلَـهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ .اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ .وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ .وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْـجَـدِّ مِـنْکَ الْـجَـدُّ .(مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصّلاة، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ و بیان صفتہ،۱: ۴۱۴۔۴۱۵،رقم:۵۹۳)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اُسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے ستائش ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ تو جو چیز دے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو روک لے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش تیرے مقابلے میں سودمند نہیں۔

حضرت عمرو بن میمون الاودی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادوں کو ان کلمات کی ایسے تعلیم دیتے جیسے استاد بچوں کو لکھنا سکھاتا ہے اور فرماتے :بے شک حضور نبی اکرم ﷺ ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعے پناہ طلب کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّی اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ، وَأَعُوْذُ بِکَ أَنْ أُرَدَّ إِلَی أَرْذَلِ الْعُـمُـرِ، وَأَعُـوْذُ بِکَ مِـنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا، وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.

(بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب ما یتعوذ من الجبن،۳: ۱۰۳۸، رقم:۲۶۶۷)

اے اللہ! میں بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور میں ذلت (بڑھاپے) کی زندگی کی طرف لوٹائے جانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور دنیا کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور عذابِ قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس مسلمان میں جمع ہو جائیں وہ جنت میں داخل ہوگا :جو شخص سوتے وقت 33 مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ، 33 مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اور 34 مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَر کہے اور ہر نماز کے بعد یہ تینوں کلمات دس دس مرتبہ کہے۔

(ترمذی، الجامع الصحیح، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی التسبیح فی أدبار الصلاۃ، ۱: ۴۳۵، رقم: ۴۱۰)

اسے تسبیحِ فاطمہ بھی کہتے ہیں کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہی پڑھنے کی تلقین فرمائی تھی۔ جن نمازوں کے بعد سنت ادا کی جاتی ہے مثلاً ظہر، مغرب، عشاء ان میں ان کلمات کو سنت سے فراغت کے بعد پڑھے، البتہ جن نمازوں کے بعد سنت نہیں جیسے فجر اور عصر ان میں فرض سے فراغت پاتے ہی پڑھے۔

☆☆☆☆☆

اظہارِ تعزیت

محترمہ شمیم صغیر (منہاج القرآن کی دیرینہ رفیقہ تادم وصال تحریکی خدمات سرانجام دیتی رہیں)، محترمہ نازیہ عبدالستار (ڈپٹی ایڈیٹر ماہنامہ دخترانِ اسلام) کی امی جان، محترمہ نورین علوی (صدر ویمن لیگ لاہور) کے دیور، محترمہ فاطمہ سعید (زونل نگران) کی پھوپھی جان اور کلثوم قمر (ڈائریکٹر ایگرز) کے ساس اور سسر قضائے الٰہی سے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس سانحہ پر محترمہ فضہ حسین قادری، محترمہ ڈاکٹر فرح ناز (صدر ویمن لیگ)، محترمہ سدرہ کرامت (ناظمہ ویمن لیگ) اور جملہ مرکزی ٹیم منہاج القرآن ویمن لیگ نے مرحومین کے انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کیا اور مرحومین کی بلندی درجات کے لیے خصوصی دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی بخشش فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

گلدستہ

وضو سے جسم کا اعصابی نظام توانا ہوتا ہے

جلد سونے اور جلد بیدار ہونے میں تندرستی ہے

مرتبہ: حافظہ سحر عنبرین

وضو:

ہم دن میں پانچ فرض نمازوں کیلیے کم از کم پانچ بار وضو کرتے ہیں کیونکہ وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور منہ، ناک ہاتھ، بازو، سر اور پاوں دھوئے بغیر وضو نہیں ہوتا۔ یعنی دن میں پانچ بار ہم جسم کے ان تمام اعضاء کو دھوتے ہیں۔

وضو میں ہم جسم کے تمام ظاہری اعضاء دھوتے ہیں کہ جن پر مٹی اور کاربن لگ جاتی ہے۔

آج سائنسی مشاہدات یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ جسم کے جن اعضاء پر مٹی یا کاربن لگ جاتی ہے تو اگر ان کو صاف نہ کیا جائے اور وہ جسم کے اس حصے پر زیادہ دیر لگے رہیں تو ان اعضاء اور دماغ کا کنکشن کمزور ہو جاتا ہے۔ یعنی جسم کا اعصابی نظام کمزور ہوجاتا ہے۔

چونکہ وہ مسلسل دماغ کو یہ پیغام بھیج رہے ہوتے ہیں کہ جسم پر کوئی چیز آ گئی ہے اور اسکی صاف کا اہتمام کیا جائے۔

اگر ایک شخص صبح منہ دھوتا ہے اور اسکے بعد شام میں آ کر دھوتا ہے تو اسکے اعضا اور دماغ کا تعلق کمزور پڑ جاتا ہے کہ جس سے بعد میں وہ بہت سے اعصابی مسائل کا شکار ہوسکتا ہے۔

اسلام کم از کم دن میں پانچ بار آپکے اعضاء کی صفائی کا اہتمام کرتا ہے اور جمعہ کے روز ناخن اور بغلوں کے غیر ضروری بال کاٹنے سمیت مکمل صفائی کا اہتمام کرتا ہے اسی لئے جمعہ کا غسل ہر مسلمان پر واجب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف ایسا کرنے کا حکم فرمایا ہے بلکہ یہ سب آپ ﷺ کی سنت مبارکہ کا حصہ بھی ہے۔

جلد سونا:

رسول ﷺ کی ایک اور عادتِ مبارکہ یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ رات جلد سو جایا کرتے تھے۔ عموما آپ ﷺ نماز عشاء کے فورا بعد سو جاتے تھے۔ یعنی رات جلد سونا اور صبح جلد اٹھنا آپ ﷺ کے معمولات میں شامل تھا۔

ہماری بایولاجیکل واچ جو کہ ہمارے پورے جسم کے نظام کو منظّم کرتی ہے جب یہ باہر اندھیرا دیکھتی ہے تو یہ جسم کو سونے کا سگنل دے دیتی ہے جسم کو تیاری کیلیے یہ ڈیڑھ سے دو گھنٹے کا ٹائم دیتی ہے کہ اس وقت تک آ پکو لازمی سونا ہے۔

نوٹ کیجیے کہ نماز مغرب اور نماز عشاء میں بھی تقریبا اتنا ہی دورانیہ ہوتا ہے۔

اسکا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جسم کے اندر بایولاجیکل واچ کے تحت ایک ڈاکٹر جاگ جاتا ہے جو آپکے پورے جسم کی مینٹیننس کرتا ہے۔ اگر کہیں زخم آ گیا ہے وہ اسکو ریپئر کرے گا۔ اگر جگر یا کسی اور اعضاء میں کچھ مشکل ہے تو اس پر کام کرے گا۔

بلکہ سونے کے بعد سب سے پہلے جگر پر ہی کام ہوتا ہے اور جو جگر کے مریض ہیں انکے لئے یہ رائے بھی ہے

جہاں وہ اپنا علاج کر رہیں ہیں وہاں علاج کی جگہ اپنے نیند کے نظام کو بہتر کر کے اپنے جسم کے ڈاکٹر کو علاج کا موقع دیجئے اور پھر اسکے ثمرات کا مشاہدہ کریں۔

رات 10 بجے سے بارہ بجے تک جگر اور اسکے اردگرد کے اعضاء کی مینٹیننس ہوتی ہے اور اسکے بعد درجہ بدرجہ پورے جسم کی مینٹیننس ہوتی ہے اور یہ عمل روزانہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے آپکے جسم میں ایک آٹومیٹک نظام رکھا ہے اور یہ نظام تب کام کرتا ہے کہ جب آپ جلدی سونے کی عادت اپناتے ہیں۔

عہد جہالت میں عربوں میں ایک رواج تھا کہ رات کے کھانے کے بعد انکے ہاں شعر و شاعری اور دیو مالاء کہانیوں کی محفلیں ہوتی تھیں جو رات گئے دو بجے تک چلتی رہتی تھیں اور اس ماحول میں رسولﷺ کا رات جلدی سونا بھی انکے نزدیک ایک قابل اعتراض عمل تھا۔

یہ تو عہد جہالت تھا لیکن آج ماڈرن ایج کا دعوہ کرنے والے ہم مسلمانوں کے ہاں بھی دیر تک جاگنے کو نہ صرف قابل اعتراض نہیں سمجھا جاتا بلکہ کچھ حد تک تو قابل فخر بھی جانا جاتا ہے۔عہد جہالت کی محفلوں کی جگہ آج ماڈرن انٹر نیٹ اور سیٹیلائٹ ٹیکنالوجی نے لے لی ہے۔

لیکن جلدی سونا رسول اللہﷺ کے معمولات میں تھا کیونکہ جسم کے اندرونی ڈاکٹر کی افادیت سے واقف تھے اور یہی وجہ ہے کہ پوری حیاتِ مبارکہ میں رسول اللہﷺ ایک لمحے کیلئے بھی بیمار نہیں ہوئے۔

مسواک کرنا:

رسول اللہﷺ مسواک کو بہت پسند فرماتے تھے اور خصوصا دن میں پانچ دفعہ ہر نماز میں وضو کیساتھ تو ضرور اسکا اہتمام فرماتے تھے۔

اسکے علاوہ بھی جب گھر تشریف لاتے،کسی محفل میں حاضری سے پہلے غرض موقع بے موقع مسواک کا اہتمام کرتے اور مسواک کو بہت محبوب رکھتے۔

جب ہم کھانا کھاتے ہیں تو دانتوں کے درمیان کھانے کے کچھ نہ کچھ ذرات ضرور رہ جاتے ہیں اور کھانے کے ایک گھنٹے بعد ان میں بیکٹیریا پیدا ہو جاتے ہیں۔

محسوس کیجئے گا کہ دانتوں میں رہ جانے والے ذرات دو گھنٹوں پر نرم ہو جاتے ہیں اور یہ بیکٹیریا ہی ہیں۔

اس لئے ہمیں کہا گیا کہ کھانے سے پہلے، بعد، سونے سے پہلے، بعد مسواک کا اہتمام کیا جائے ورنہ یہ ہارٹ اٹیک کا بھی سبب بن سکتا ہے۔

آج امریکہ اور مغربی ممالک میں صبح اٹھتے بغیر دانت منہ صاف کیے کھانے پینے کا رواج عام ہے جو ان میں طرح طرح کی بیماریوں کا سبب بن رہا ہے۔

آسٹریلیا کی ایک یونیورسٹی نے ہارٹ اٹیک کے پانچ سو مریضوں پر ریسرچ کی انہوں نے جہاں اور بہت سی وجوہات بیان کیں وہاں ایک کامن وجہ یہ بھی سامنے آئی کہ یہ لوگ ٹوتھ برش کرنے کے عادی نہ تھے جسکے سبب انکے دانتوں میں جما میل پیٹ میں جا کر اسقدر ملٹی پلاء ہوا کہ وہ ہارٹ کی آرٹریز کو بلاک کرنے کا سبب بنا۔

انکو ہارٹ اٹیک کا اصل سبب انکے دانتوں کا میل تھا جبکہ ہمیں رسول اللہﷺ مسواک کی اس حد تک تلقین فرمائی کہ ایک موقع پر فرمایا کہ اگر امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں امت پر مسواک کو فرض قرار دے دیتا۔

آج کی ماڈرن سائنس یہ ثابت کر چکی ہے کہ جن لوگوں کو ٹوتھ برش زیادہ کرنے کی عادت ہوتی ہے انکو غصہ کم آتا ہے اور وہ اکثر ٹھنڈے مزاج، پرسکون رہتے ہیں۔

جس شخص کو زیادہ غصہ آتا ہو، بلڈ پریشر اکثر ہائی رہتا ہو،طبیعت میں بے چینی، تو وہ زیادہ سے زیادہ مسواک کیا کرے دو تین ماہ ہی میں وہ اسکے حیران کن معجزاتی اثرات پائیں گے۔

☆☆☆☆☆

منہاج القرآن ویمن لیگ کے ذیلی شعبہ Woice کے زیر اہتمام ملک بھر میں فوڈ ریلیف پیکجز کی تقسیم

منہاج القرآن ویمن لیگ کے ذیلی شعبہ الہدایہ کے زیر اہتمام رمضان المبارک میں دورۂ قرآن کا انعقاد

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
MAY-2022
LAHORE
Regd CPL No.45

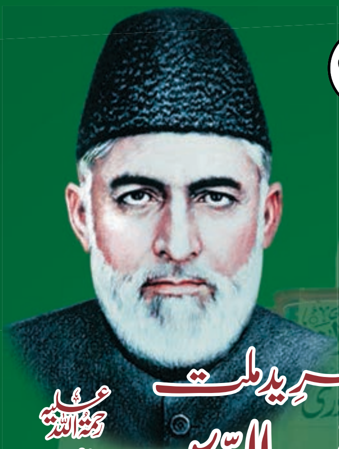

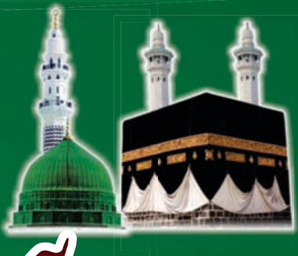

یَا اللّٰہُ جل جلالہٗ

یَا رَسُولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

49 واں سالانہ

عرس مبارک

فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

والدِ گرامی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ العالی

و تقریب تقسیم اسناد حفاظ و حافظات

بتاریخ 16 شوال 1443ھ

بمقام دارالعلوم فریدیہ قادریہ ملحقہ دربار فریدملت بستی لوہلے شاہ جھنگ صدر

خصوصی خطاب

جگر گوشۂ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

صاحبزادہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

(چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل)

زیرِ صدارت

صاحبزادہ **محمد صبغت اللہ قادری**

ایڈمنسٹریٹر دربار فریدملت

زیرِ نگرانی

علامہ حافظ **عبدالقدیر قادری**

ڈائریکٹر دارالعلوم ہذا

نقابت

شہنشاہ نقابت معروف اسلامی سکالر **صفدر علی محسن**

تلاوت

فخرالقراء **قاری نوراحمد چشتی**

نعت خواں

عالمی شہرت یافتہ **شہباز قمر فریدی**

محمد شکیل طاہر لاہور

حسان منہاج **الحاج محمد افضل نوشاہی**

منظورِ نظر حضور شیخ الاسلام **شہزاد برادران**

خصوصی آمد **مرکزی قائدین، مشائخ وسکالرز**

چیف آرگنائزر **محمد جواد حامد** ڈائریکٹر ایڈمن و اجتماعات منہاج القرآن انٹرنیشنل

پروگرام ان شاء اللہ

قرآن خوانی ——— بعد نماز فجر تا ظہر

غسل دربار شریف ——— بعد نماز ظہر

رسم چادر پوشی ——— بعد نماز عصر

محفل ذکر مصطفیٰ ——— بعد نماز مغرب

خصوصی خطاب ——— بعد نماز عشاء

آخر میں لنگر تقسیم ہوگا

خواتین کیلئے باپردہ انتظام

الداعی الی الخیر

صاحبزادہ محمد طاہر قادری و تحریک منہاج القرآن جھنگ

0334-6331063 , 0333-6767094